سادھو سندر سنگھ

مُبارک ہے وُہ آدمی جو حِکمت کو پاتا ہے اور وُہ جو فہم حاصِل کرتا ہے۔ امثال ۳: ۱۳

رُوحانی زِندگی کے کئی پہلُوؤں پر غور و فِکر کے نتائج

مُصنّفہ

سادھو سُندر سنگھ

به اِجازت پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی، انارکلی، لاہور

مسیحی اشاعت خانہ

۳۶ فیروز پُور روڈ، لاہور

بار ہفتم ___ ۱۹۸۷ء ___ تعداد ۲۰۰۰ ___ قیمت ۴ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	دیباچہ	۳
۱	خلوت میں خداوند کے ساتھ	۵
۲	دل میں خداوند کے لئے اشتہا	۸
۳	خدا کو جاننا	۱۳
۴	دکھ اور درد	۲۱
۵	بدی کیا ہے؟	۲۹
۶	خراب زندگی اور برے خیالات کا اثر	۳۲
۷	مسیح میں زندگی	۳۶
۸	آخرکار کل انسان توبہ کر کے خدا کی طرف پھریں گے	۴۱
۹	خدا کی بادشاہت	۴۶
۱۰	اخلاق اور خوبصورتی	۵۱
۱۱	نکتہ چینی اور مخالفت	۵۵
۱۲	خدمت اور خود انکاری	۶۰

میں نے اِس چھوٹی سی کتاب میں رُوحانی زندگی کے کئی ایک مُختلف
پہلوؤں پر اپنے غور و فکر اور دھیان کے نتائج پیش کئے ہیں اور اُن
حالتوں اور مُشکلات کا ذِکر کیا ہے، جن میں سے ہر ایک مَردِ خُدا کو رُوحانی
زندگی کی مُختلف منزلوں کو طے کرتے ہوئے گُزرنا پڑتا ہے۔
ممکن ہے کہ اِس میں کوئی ایسی بات بھی ہو جس پر بعض صاحبان کا اتفاق
نہ ہو، اور یہ کوئی نئی یا تعجّب کی بات نہیں کیونکہ جیسے دُنیا میں ایک ہی طرح
کی شکل، صُورت، خدّ و خال کے دو شخص مِلنے مُشکل ہیں اسی طرح ہر ایک کی
قوّتِ باصرہ، شامہ اور سامعہ وغیرہ یکساں نہیں، کُچھ نہ کُچھ کمی و بیشی اور اختلاف
ضرُور پایا جائے گا۔ ایسے ہی ہر ایک رُوحانی حالت اور طبیعت و مزاج کے
مُطابق اُس کا تجربہ ہوگا، اور گو اصُولاً کسی ایک قسم کا اختلاف نہ ہو، مگر فروعات
میں تو ضرُور ہی ایک دُوسرے سے مُختلف ہوں گے۔ اور ہر ایک کی رُوحانی
حالت اور ضرُورت کے مُطابق خُدا اُس پر رمُوزِ حقیقت اور اپنی مرضی ظاہر
فرماتا ہے جو دُوسروں کو یا تو قبل از وقت اور یا پرانی اور غیر ضرُوری معلُوم ہوتی
ہیں۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے، کہ جس گروہ و مغز یعنی حقیقت کی بابت

ملہم اور روشن ضمیر اشخاص نے ذکر کیا، اُس تک تو لوگوں کی پہنچ نہ ہوئی، اور نہ ہی وصلِ الٰہی یا حقیقت کا حظّ اور تجربہ حاصل ہُوا، تو وُہ عمُوماً گُودہ اور اصلیّت کو بالکل نظر انداز کر کے محض فروعات اور چھلکوں پر اس طرح لڑتے جھگڑتے ہیں کہ جس طرح کُتّے سُوکھی ہڈیوں پر۔ مگر جن کو خُدا کی صحبت اور وصل کا لُطف حاصل ہو چکا ہے، وُہ اُن تمام جھگڑوں سے بری ہیں۔ البتّہ جو کُچھ اُنہوں نے پایا ہے، وُہ اپنے ذاتی تجربہ سے اُس کی شہادت اور گواہی دیتے ہیں۔ لوگ خواہ متفق ہوں یا نہ ہوں، اِس حقیقت کو قبُول کرنا یا نہ کرنا خُود اُن پر موقُوف ہے۔

مَیں مسٹر فرینک نجم الدین صاحب کا نہایت ہی شُکر گُذار ہُوں کہ اُنہوں نے مسوّدہ کتاب ہذا کی نظر ثانی کی اور جو کام مَیں بوجہ عدیم الفُرصتی نہ کر سکا، اُس کو اُنہوں نے بڑی مہربانی اور محنت سے انجام دیا۔

اَب مَیں اِس اُمّید اور دُعا کے ساتھ اِس کتاب کو ہدیۂ ناظرین کرتا ہُوں کہ یہ کم و بیش سب کے لئے مُفید اور رُوحانی مدد کا باعث ہو۔ آمین

سباتھو — فقیر حقیر سُندر سنگھ

۱

خلوت میں خُداوند کے ساتھ

۱۔ خُداوند اپنے تین خاص شاگردوں کو اپنے ساتھ ایک اُونچے پہاڑ پر لے گیا۔ صرف اِس لئے نہیں کہ وہ محنت اَور کام کے بعد آرام اَور ترو تازگی حاصل کریں، بلکہ اِس لئے کہ وُہ اُس حقیقت کا جلوہ دیکھیں جس کے لئے وُہ خُداوند کے ساتھ رہ کر تیّار ہو رہے تھے۔ اُن کے لئے محض اِتنا ہی کافی نہ تھا، کہ وُہ اُس کے معجزات دیکھ کر اَور اُس کا کلام سُن کر جو کہ پیشتر کبھی کسی انسان نے نہیں کیا (یُوحنّا ۷ : ۴۶) حیرت کا پُتلا بن کر وہیں لگے رہیں، بلکہ یہ نہایت ضروری تھا کہ وُہ آبادی اَور بِھیڑ سے الگ اَور تنہائی میں اُس کی جلالی اَور الٰہی شخصیّت کو بھی دیکھیں ۔ صرف یہی کافی نہ تھا کہ مسیح کی صُورت اُن کے سامنے بدل جائے، مگر یہ بھی لازم تھا کہ اُن کی آنکھیں کُھل جائیں۔ کیونکہ اگر اُن کی رُوحانی آنکھیں نہ کُھلتیں تو وُہ نہ تو خُداوند کی نُورانی صُورت کو دیکھ سکتے اَور نہ ہی مُوسےٰ اَور ایلیاہ کو دیکھ سکتے۔ اُن کے کان بھی کُھل گئے تاکہ وُہ اُن باتوں کو سُن سکیں جو مسیح کے مصلُوب ہونے کی بابت ہو رہی تھیں، اَور خُدا کی آواز بھی سُن سکیں جس نے فرمایا کہ "اُس کی سُنو" (لُوقا ۹ : ۲۸-۳۶)۔

خُدا مسیح میں مجسّم ہُوا ، اور پھر اُس کے وسیلے سے ہمکلام ہوتا ہے ، لہٰ
چاہیئے کہ ہم اُس کی سُن کر بلا چون وچرا اُس کی پیروی کریں ۔ ہم اُس کا
شیریں آواز کو سُن نہیں سکتے ، جب تک کہ دُنیا کے شور و غُل کی طرف سے کان
بند کر کے تخلیہ میں اُس کی رفاقت اور مُلاقات کے مُشتاق نہ ہوں اور یہ
بھی لازم ہے کہ ایسے موقع پر ہم خُود خاموش رہیں اور اپنا سارا دِل خُد
کی طرف لگا کر اُس میں اپنے آسمانی باپ کی آواز کو سُنیں ۔ کیونکہ اگر ہم خاموش
نہ رہیں تو دُوسرے کی بات کو نہیں سُن سکتے اور اگر پُورے طور سے دھیان
اور توجّہ نہ کریں تو کُچھ سمجھ نہیں سکتے اور نہ ہی عمل کرنے کے لئے قُوّت حاصل کر
سکتے ہیں ۔ اِس لئے جب بہ دل وجان اُس کی طرف رجُوع ہوں گے تو وُہ
اپنے آپ کو ہم پر ظاہر فرمائے گا ، اور اُس کے ساتھ مُقدّسوں کی رفاقت کا
بھی شرف حاصل ہو گا ، جیسا کہ یہ تین شاگرد خُداوند کے طفیل سے مُوسیٰ اور ایلیا
کی رفاقت سے بھی محظُوظ ہُوئے ۔

۲ ۔ اِس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خُداوند کی صُحبتِ اقدس کو محض ذاتی
نفع کا ذریعہ نہ بنائیں ، جیسا کہ اُن شاگردوں میں سے دو نے مسیح کی جلالی
بادشاہی میں اُس کے دہنے اور بائیں بیٹھنے کی درخواست کی (مرقس ۱۰ :
۳۵ - ۳۷) ۔ اِس صُورت میں مریم اُن سے بہتر ہے جس نے بجائے دہنے
اور بائیں بیٹھنے کے اُس کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر اُس کا حیات بخش
کلام سُننا مُقدّم سمجھا اور یُوں وُہ اچھّا حصّہ چُن لیا جو اُس سے چھینا نہ جائیگا ۔
(لُوقا ۱۰ : ۳۹ و ۴۲)

۴۔ مراقبہ میں خُدا بغیر الفاظ کے دِل میں ہمکلام ہوتا ہے، اور اگر ہم فروتنی سے اپنا دِل چشمۂ حیات کے آگے جُھکا دیں، تو وُہ اپنی حضُوری کی معمُوری سے بھر دے گا جیسا کہ چشمہ کی دھار کے نیچے برتن رکھنے سے وُہ خُود بخُود بھر جاتا ہے، ایسا ہی فروتن آدمی کا دِل خُدا کی رُوح اور حقیقی اِطمینان سے بھر جاتا ہے۔ ہیوگو نے خُوب کہا ہے کہ خُدا کی طرف چڑھنے کا راستہ اپنے آپ میں اُترنا ہے اور خُداوند فرماتا ہے کہ "مَیں بلند اور مُقدّس مقام میں رہتا ہُوں، اور اُس کے ساتھ جو کہ فروتن اور شکستہ دِل ہے"۔ (یسعیاہ ۵۷: ۱۵)

ایک مردِ خُدا نے کہا کہ "مسیح مثل کھوئے ہُوئے درہم کے تیرے دِل میں چُھپا ہے۔ اُس کو ڈُھونڈنے کے لئے رُوم یا یروشلیم جانے کی ضرُورت نہیں۔ وُہ تیرے دِل میں سوتا ہے، جیسا کہ شاگردوں کے ساتھ کشتی میں تھا۔ چاہیئے کہ تُو اپنی دِلی دُعا کی آواز سے اُس کو جگائے۔ گو حقیقت تو یہ ہے کہ وُہ نہیں، بلکہ تُو بے ہوش ہو کر سو رہا ہے۔ پس جاگ اور ہوش میں آ، اور اپنے پیارے نجات دہندہ کی مُلاقات کے لئے اُٹھ بیٹھ"۔

جب ہم خلوت میں دُعا کے پہاڑ پر چڑھ کر اُس کا درشن کر لیں تو شاگردوں کی طرح وہیں ڈیرے جمانے کی تجاویز میں وقت ضائع نہ کریں، بلکہ اُس سے تقویت اور تازگی حاصل کر کے اُس بڑے کام کو انجام دینے کے لئے مُستعد ہوں جو ہمیں سونپا گیا ہے۔

۱۔ ہم اپنے تجربہ سے جانتے ہیں، کہ دِل میں خُدا کے لئے کیسی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ جس طرح ہرنی جنگل میں پانی کے چشمہ کے لئے تڑپتی ہے، اُسی طرح اِنسان کا دِل خُدا کے لئے پیاسا، بے چین اور تڑپتا رہتا ہے، جب تک کہ اُس کو نہ پالے۔ گو انسان مختلف طریق سے دِل کی اِس زبردست خواہش کو پُورا کرنے کی کوشش اور اُس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن کرتا ہے اور جب تک کہ خُدا کو پا نہ لے یہ خواہش اور تمنّا ہر وقت اُس کے دامنگیر رہتی ہے۔ لیکن صرف اُسی میں پُوری آسُودگی اور سیری حاصل ہوتی ہے جس نے دِل کو اور دِل میں خواہش کو پیدا کیا۔

ہومر لکھتا ہے کہ

”جیسے چڑیا کے بچّے خوراک کے لئے اپنا مُنہ کھولتے ہیں،
ایسے ہی کُل بنی نوع اِنسان خُدا کے لئے ترستے ہیں۔“

رُباعی ؎

ساجد تیرا کُل جہان ہے۔ مسجود ہے تُو
طالب تیرا کُن فکاں ہے مقصود ہے تُو
ہر مومن و بُت پرست۔ شیدا تیرا
صدقے تیرے نام کے وُہ معبُود ہے تُو

ایک دفعہ مَیں سفر سے تھکا ماندہ ہو کر راستہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ گیا۔ اِس چوٹی کے نیچے ایک چھوٹے پیڑ پر گھونسلے میں چڑیا کے بچّوں کے چلّانے کی آواز سُنائی دی۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ چڑیا اپنے بچّوں کے لیے چوگا لئے گھونسلے کی طرف جا رہی ہے، اَور بچّے آہٹ سُنتے ہی مُنہ پھاڑ کر چلّانے لگے۔ اَور جب اُن کی ماں خوراک دے کر اُڑ گئی تو وُہ فوراً خاموش ہو گئے تب مَیں نے نیچے جا کر بچّوں کو دیکھا تو اُن کی آنکھیں بند تھیں اَور ایک دُوسرے کیساتھ چمٹے ہُوئے تھے وُہ بغیر دیکھے غذا کے لئے اپنا مُنہ کھول دیتے تھے۔ اگر وُہ یہ کہتے کہ جب تک ہم اپنی آنکھ سے اپنی ماں اَور خوراک کو نہ دیکھ لیں ہرگز مُنہ نہ کھولیں گے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ وُہ ہماری ماں ہے یا دُشمن اَور اِس کے مُنہ میں ہمارے لئے غذا ہے یا زہر، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آنکھیں کُھلنے کی کبھی نوبت ہی نہ پہنچتی، کیونکہ وُہ بھُوک سے تھوڑے ہی عرصہ میں ہلاک ہو جاتے۔ مگر اُن کے دِل میں ماں کی محبّت کی نسبت کسی قسم کا شک نہ تھا، اَور چند ہی روز میں آنکھیں کُھل گئیں، اَور اپنی پیاری ماں کو دیکھ کر بہت خُوش ہُوئے۔ چنانچہ پُورے قد کو پہنچ کر اَور اپنی ماں کی مانند بن کر فضا میں پرواز کرنے لگے۔

اب ذرا بغور سوچیے کہ کیا ہم اشرف المخلوقات کہلا کر اس ادنے مخلوق چڑیا کے بچوں سے بھی گئے گذرے ہیں کہ اپنی روحانی ماں کی ہستی اور محبت کی بابت دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ مبارک ہیں وہ جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ (یوحنا ۲۰: ۲۹) اور اپنا دل خدا کے لئے کھول کہ اس سے روحانی غذا حاصل کرتے ہیں۔ وقت قریب ہے کہ ہم پورے قد کو پہنچ کر اپنے آسمانی باپ کی مانند کامل بن کر ہمیشہ اس کو دیکھیں گے اور ابدالآباد اس کے ساتھ خوش و خرم رہیں گے۔

۲۔ ایک بزرگ کا ذکر ہے، کہ اس کو راستہ میں تین شخص ملے۔ اس نے پہلے شخص سے جس کا چہرہ زرد اور پژمردہ تھا، اور بوجہ خوف نہایت کمزور بلکہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا پوچھا کہ تیری ایسی خراب حالت کیوں کر ہو گئی؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے یہ خیال ستاتا ہے کہ میں کہیں جہنّم کی آگ میں نہ ڈالا جاؤں۔ بزرگ نے فرمایا کہ یہ تیرے لئے بہت افسوس کی بات ہے کہ تجھے بجائے اپنے خالق اور مالک کے خوف کے جو کہ دانائی کا شروع ہے محض ایک خلق کی ہوئی شے کا خوف ہے، اور تیری عبادت حقیقی نہیں بلکہ بطور ایک رشوت کے ہے جو جہنّم کی آگ سے بچانے کا وسیلہ ہو، اور پھر دوسرے شخص سے جو متفکّر اور رنجیدہ بیٹھا تھا دریافت کیا کہ تو اس قدر اداس اور غمگین کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے اس بات کی فکر دامنگیر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بہشت کی خوشیوں اور آرام سے محروم رہوں۔ تب بزرگ نے جواب میں کہا کہ یہ تیرے لئے بڑی شرم اور افسوس کی

بات ہے کہ تو خالق اور اُس کی عجیب محبّت کا خیال چھوڑ کر صرف اُس کی خلق کی ہوئی جگہ کے حاصل کرنے کے لالچ سے خدا کی عبادت کرتا ہے چنانچہ اُن دوسے گفتگو کے بعد وُہ تیسرے شخص سے جو کہ بہت خوش اور مطمئن تھا یوُں مخاطب ہوا کہ تیری اِس خوشی اور اِطمینان کا بھید کیا ہے ؟ اُس نے کہا کہ جس نے مجھے رُوح اور راستی سے خدا کی پرستش کرنے کے لئے ہدایت اور تعلیم دی ، اُس سے ہمیشہ میری دُعا ہے کہ وُہ مجھے ایسی توفیق بخشے جس سے مَیں اُس کو بدِل وجان پیار کروُں اور کمال محبّت سے اُسکی عبادت اور خدمت بجا لاوٴں ۔ اگر مَیں جہنّم کے خوف سے اُس کی عبادت کروُں تو وُہ مجھے اُس کی آگ میں ڈالے ، اور اگر بہشت کے لالچ سے کروُں تو وُہ مجھ کو اُس سے محرُوم رکھّے لیکن اگر کمال محبّت سے اُس کی پرستش کروُں تو وُہ اپنے آپ کو مجھ پر ظاہر فرمائے تاکہ میرا سارا دِل اُسی کی محبّت اور حضوری سے بھرپُور اور معمُور رہے ۔

۳ - اگر ہم خدا کو چھوڑ کر مخلوُق پر دِل لگائیں ، اور بجائے اُس کے اُس کی خلق کردہ چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں تو کُل چیزوں کا خالق تو پہلے ہی چھُوٹ جائے گا - پھر ایک وقت آئے گا کہ کُل مخلوُق اور اشیاء بھی چھُوٹ جائیں گی ۔ تب سوائے ہماری اپنی گناہ آلوُدہ اور رذیل حالت کے اور کُچھ باقی نہ رہے گا ۔ لیکن اگر کُل مخلوقات کی طرف سے مُنہ موڑ کر خالق کی طرف رجُوع ہوں اور اُس کو پانے کی کوشش کریں ، تو اُس کے ساتھ باقی تمام چیزیں بھی خُود بخُود مِل جائیں گی ، اور جو کوئی محض

اپنا ہی نفع ڈھونڈھتا ہے وہ خود غرض اور خود پرست ہے، ایسا شخص سوائے اپنی واجبی سزا اور کم بختی کی حالت کے اور کچھ نہ پائے گا، کیونکہ وہ اپنا ہی فائدہ ڈھونڈنے میں خدا کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو ڈھونڈھتا ہے، اور اپنے آپ کو ڈھونڈنے میں سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔ پس اس صورت میں نہ تو وہ خود کو اور نہ ہی خدا کو پا سکتا ہے۔

۳

خُدا کو جاننا

۱۔ دہریہ خُدا کی ہستی کے مُنکر ہیں، لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ خُدا نہیں ہے۔ بالفرض اگر دہریہ لوگوں کی بے بُنیاد اور پوچ دلائل کو تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیں، تو اس میں اُن کی دانائی اور سچائی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ جہالت اور کجروی، کیونکہ اگر جیسا وُہ کہتے ہیں کہ خُدا نہیں ہے، تو بھلا ایک شَے جو موجود نہیں اُس کی عدم موجُودگی کو ثابت کرنے کی کوشش میں وقت ضائع کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ وُہی قیمتی وقت کسی اور مفید کام میں صرف کیا جا سکتا ہے، اور اگر خُدا ہے جس کو کُل اہلِ بصارت دیکھتے اور جانتے ہیں، تو ایک ایسی ہستی کی بابت جو کُل مخلُوقات کی خالق اور مادر ہے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ وُہ ہے نہیں، اِس سے بھی زیادہ بلکہ پرلے درجہ کی حماقت اور خباثت ہے (زبُور ۱۴: ۱) ایسا کرنے سے وُہ خُدا کی عدم موجُودگی تو کیا ہاں اپنی رُوحانی قابلیّت اور معرفت کی عدم موجُودگی ضرُور ثابت کرتے ہیں۔ اور اُن کی زبردست دلائل واثبات مثل ایک ادنٰی درجہ کے کیڑے کے ہوں گے جو اپنی لایعنی اور کھوکھلی دلائل کے زور سے آفتاب کی عدم موجُودگی ثابت کرنا چاہے۔ ایسی دلائل سوائے جنم کے اندھوں کے اور کسی کے لئے بھی بامعنی

اور پُر زور ثابت نہ ہوں گی۔

البتہ اگر کسی شے اور شخصیت کے ماننے سے کسی کو نقصان پہنچے تو اُس کی مخالفت اور تردید کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن کیا خُدا کے ماننے سے کبھی کسی کو کسی قسم کا نقصان پہنچا؟ ہرگز نہیں برعکس اِس کے ایمان داروں کو خُدا کے خوف اور محبت میں بے شمار برکات اور حیاتِ ابدی حاصل ہوئی۔ اب اگر اِس چشمۂ حیات کے خلاف اور تردید میں کچھ لکھیں یا بولیں تو اس سے بڑھ کر اور خیانت اور گناہ کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ایسا کرنے میں نہ صرف خُدا کی بے عزتی کر کے اُس کے خلاف گناہ کرتے ہیں، بلکہ دُوسروں کو خُدا کی برکتوں سے محروم رکھ کر اُن کی اور خود اپنی بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔

۲۔ پھر اگنوسٹک فرقہ ہے کہ نہ تو خُدا کی ہستی کا منکر ہے اور نہ مُقر۔ اُس کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس کو نہیں جانتے اور نہ ہی جان سکتے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے، کیونکہ اگر ہم خُدا کو نہیں جان سکتے، تو اُس کو جاننے اور ماننے کے لئے ہم میں خواہش بھی پیدا نہ ہوتی، اور یہ خواہش بلا مقصد نہیں کیونکہ ہر ایک خواہش ایک خاص مقصد رکھتی ہے۔

بچہ گو ماں سے پیدا ہوا، مگر ماں سے علیحدہ وجود رکھتا ہے، اور وہ ماں سے اپنی قدر اور قابلیت کے مطابق محبت رکھتا ہے لیکن وہ ماں کی بابت اِتنا نہیں جانتا، جتنا کہ ماں اُس کو جانتی اور پیار کرتی ہے۔ بچہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے، اپنی حالت اور ترقی کے مطابق ماں کی نسبت علم حاصل کرتا اور

بتدریج اُس کو زیادہ جانتا ہے اور یُوں اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق اُس کی صُحبت اور رفاقت سے محظُوظ اور مسرُور ہوتا ہے۔ اسی طرح خُدا کو جو لامحدُود ہے کماحقہٗ جاننے کے لئے ہمارا علم بھی لامحدُود ہونا چاہیئے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم اُس کو جان ہی نہیں سکتے۔ ہم اپنی ترقّی اور ضرورت کے مطابق اُس کو جان سکتے ہیں، اور اُس کی حیات بخش حضوری سے محظُوظ ہو سکتے ہیں۔ فی الحال اِس سے زیادہ جاننے کی ضرُورت نہیں اور آئندہ جُوں جُوں رُوحانیّت میں ترقّی کرتے جائیں گے، تُوں تُوں اپنی حالت اور قابلیّت کے مطابق اُس کا علم اور عرفان حاصل ہوتا رہے گا۔ موجُودہ حالت اور وقت میں اگر ہم اُس کو پُورے طور پر نہیں جانتے تو اس میں بے چین اور بے قرار ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ لامحدُود خُدا کو جاننے کے لئے لامحدُود زمانہ ہمارے سامنے پڑا ہے۔ اس وقت کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم اُس کو اپنی موجُودہ حالت اور ضرُورت کے مطابق جانیں اور اِس علم اور پہچان کے مطابق جو ہم کو بخشا گیا ہے عمل کریں اور ہمیشہ اُس کی صُحبتِ اقدس میں خُوش و خُرّم رہیں۔

۳۔ اگر اُسی وقت خُدا کو پُورے طور پر جاننے کی ضرُورت ہوتی تو وُہ اُس ضرُورت کو پُورا کرنے کا اِنتظام بھی فرما دیتا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ خُدا ہمیشہ وُہی کرتا ہے جو اُس کی مخلُوق کے لئے مُفید اور اچھّا ہے۔ وُہ یہ چاہتا ہے کہ ہم رفتہ رفتہ اُس کی مدد سے اُس کو روز بروز زیادہ جاننے کی کوشش کریں، کیونکہ بہ نسبت اس کے کہ ہم کو کسی چیز کی بابت بتایا جائے یہ زیادہ مفید ہے کہ ہم کوشش کر کے اُس کا علم حاصل کریں۔ ورنہ محض چیز کی بابت

توکسی قدر واقفیت ہو ہی جائے گی۔ مگر اُس شے کی ماہیت کا علم جو صرف ذاتی تجربہ سے حاصل ہو سکتا ہے، کبھی حاصل نہ ہوگا۔

اور اگر ہم خُدا کو جان ہی نہیں سکتے جیسا کہ بعض فلاسفر کہتے ہیں تو یہ بات بھی خالی از مطلب ہے کیونکہ اُس کے نہ جاننے کا علم بھی تو ایک علم ہے جیسا کہ ایک صاحب نے فرمایا ہے کہ "علم ہونا اُس کے ہونے کے انکار میں بھی ثابت ہے۔"

۴۔ خُدا کی عظیم الشان ہستی کا پُورا علم ہونا تو درکنار اُس کی کسی ادنیٰ مخلوق کا بھی تو پُورا علم حاصل نہیں ہے۔ گو کسی شے کے چند بیرونی پہلوؤں سے کسی قدر واقفیت ہو جائے، لیکن اُس کی اندرونی اصلیت سے ناواقفِ محض رہتے ہیں۔ نہ صرف دیگر مخلوق کا پُورا علم حاصل ہونا دشوار ہے، بلکہ انسان کو اپنی بابت بھی پُورا علم نہیں کہ وُہ کیا ہے اور اُس کی ماہیت کیا ہے؟ اگر انسان کو خود اپنی ہستی کا پُورا علم حاصل ہو جاتا تو خُدا کو جاننے میں جس کی صورت پر وُہ پیدا کیا گیا ہے دِقّت پیش نہ آتی۔ اور اسی طرح اگر خُدا کو جیسا چاہیے جان سکیں جو کہ فی الحقیقت ہماری جان کی جان ہے تو اپنی اصلیت کا علم بھی بخوبی حاصل ہو سکتا ہے۔ خُدا اور انسان کا باہمی رشتہ اور تعلق ایسا ہے کہ ایک کو جاننے کے لئے دُوسرے کا جاننا گویا لازم ملزوم ہے۔

ہم صرف اُس کو جان سکتے ہیں جو کہ ہم سے موافقت اور مطابقت رکھتا ہو یعنی ہماری مانند ہو۔ اگر انسان خُدا کی مانند نہ ہوتا، تو خُدا کو ہرگز نہ جان سکتا۔ کسی نے کہا ہے کہ "خُدا کو صرف خُدا ہی جان سکتا ہے" اور

خُدا مُجسّم ہو کر اِنسان بنا تاکہ اِنسان کو گری ہوئی حالت سے اُٹھا کر اُس کی اصلی حالت کو پہنچا دے (زبور ۸۲: ۶) جیسا کہ مُقدّس اتھاناسیس نے کہا کہ "وہ انسان بنا، تاکہ ہم خُدا (کی مانند) بن جائیں"۔

خُدا اِنسان کو گری ہوئی حالت سے اُٹھا کر اپنے خادم اور آگ کے شُعلے بناتا ہے۔ (عبرانی ۱: ۷) وہ رُوح اور مثلِ آگ ہے (متّی ۳: ۱۱) اگر ہم آگ کا شُعلہ بن گئے تو خُدا کی مانند بن گئے۔ کیونکہ "ذرّہ بھر شُعلہ میں بھی آگ کی تمام صفات موجود ہیں"۔ مگر اِس کا مطلب یہ نہیں کہ خُدا اور انسان دونوں ایک ہی رُوح ہیں، جیسا کہ ہمہ اوستی اور بعض فلاسفر کہتے ہیں کہ "ارواحِ انسانی خُدا کا جُزوی ظہور ہیں"۔ خالق کو مخلوقات میں محفوظ کرنے سے رُوح کا تقاضا پُورا نہیں ہوتا، مگر اِس کے میل اور وصل میں دائمی اور حقیقی راحت حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ خُدا کسی متلاشیٔ حق کو اُس کے غلط عقیدہ کی وجہ سے فوراً جھوٹا کہہ کر پست ہمّت نہیں کر دیتا، بلکہ ایسا اِنتظام فرماتا ہے، کہ رفتہ رفتہ انسان خُود ہی اپنی غلطی اور ناراستی کو معلُوم کر کے حق کو جانیں، جیسا کہ ایک گھسیارے کا ذِکر ہے کہ اُس کو اتفّاق سے جنگل میں ایک خُوبصورت پتّھر مل گیا۔ اُس نے اکثر ہیروں کی بابت سُنا تھا، اور اِس معمُولی پتّھر کو ایک قیمتی ہیرا سمجھ کر فوراً جوہری کی دُکان پر لے گیا، اور جوہری نے جو کہ ایک رحم دِل اور نیک آدمی تھا دیکھتے ہی پرکھ لیا کہ یہ تو ایک معمُولی پتّھر ہے۔ اُس نے اپنے دِل میں سوچا کہ اگر مَیں اِس گھسیارے کو صاف کہہ دُوں کہ یہ ہیرا نہیں تو اوّل تو وُہ یقین نہ کرے گا، اور اگر اُس نے میری بات کا یقین کر

لیا. تو اُس کی تمام اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی اور سخت صدمہ پہنچے گا۔ اِس لیئے جوہری نے اُس کے لئے ایسا اِنتظام کیا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنی غلطی کو خود ہی معلوم کر لے۔ اُس نے اُس کو اپنی ہیروں کی دُکان پہ کام کرنے کے لئے رکھ لیا، اور جب اُس کو کچھ عرصہ کام کرتے ہوئے اِس قدر واقفیت ہو گئی کہ ہیروں کو دیکھ کر اُن کی قِسم اور قیمت بتا سکے، تب جوہری نے اُس کو اپنا ہیرا پیش کرنے کے لئے حکم دیا۔ اور جونہی اُس نے اپنے پتھر کو جو اب تک ڈبیا میں حفاظت سے چھپا رکھا تھا دیکھا تو اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا، اور ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا لوٹ کر اپنے مہربان مالک کے قدموں پر جا گرا، اور بولا کہ میں آپ کی نیکی، ہمدردی اور مہربانی کے لیئے نہایت شکر گزار ہوں، کیونکہ آپ نے بغیر میرا دِل دُکھائے دانائی سے ایسا اِنتظام فرمایا کہ میں نے اپنی غلطی بغیر کسی کے بتائے خود ہی معلوم کر لی، اور اب میں ایسے شخص سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا، بلکہ اپنی باقی زندگی بھی آپ کے زیرِ سایہ آپ ہی کی خدمت میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ اِسی طرح خدا بُت پرستوں اور گمراہوں کو آہستہ آہستہ راہِ راست پہ لاتا ہے اور وہ حق کو جان کر آخر اُسی کی پیروی کرتے اور ہمیشہ اُسی کی خدمت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

۶۔ اکثر لوگ ایسے بیوقوف اور نادان ہیں کہ وہ خدا کی عبادت اور پرستش کرنا، اور گرجے وغیرہ (عبادت گاہ میں) جانا گویا خدا اور خادم الدین پہ ایک بڑا احسان سمجھتے ہیں۔ اس قِسم کے لوگ کبھی حق کی پہچان حاصل نہیں کرتے۔ وہ ایک بیوقوف بھیک مانگنے والے کی مانند ہیں، جو اپنی بھوک اور روٹی دینے

والے کی حقیقت سے ناواقف رہتا ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ شکر گذار ہوتا اُلٹا یہ سمجھتا ہے کہ اُس نے روٹی دینے والے پر بڑا احسان کیا کہ اُس کی روٹی کھا لی۔ اُس جاہل کو اتنا خیال کہ اُس نے خود اپنے خالی پیٹ اور اپنے آپ پر احسان کیا، جس کے لئے روٹی بخشنے والے کا تہِ دِل سے شکر گذار ہونا چاہیئے۔

۷۔ خالق نے انسان کو عقل و فہم آزاد مرضی یا فعل مختاری اور احساس بخشے ہیں۔ اب لازم ہے کہ وہ عقل کے دانتوں سے رُوحانی غذا چبا کر نگلے تاکہ قوت حاصل کر کے خُدا کی خدمت بجا لائے۔ لیکن انسان بجائے عقل کے مُفید اور جائز استعمال کے اپنے قواءِ عقلیہ کو جو مثل دانتوں کے ہیں کُتّے کی طرح کام میں لاتا ہے، جو کہ سوکھی ہڈیوں کو چبانے سے اپنے مُنہ کو زخمی کر کے اپنے ہی خون سے عارضی طور پر حظّ اُٹھاتا ہے، اور اس بات سے ناواقف ہے کہ وہ اپنا ہی خون کرتا ہے اور سوکھی ہڈیاں یعنی فضول باتوں میں اپنی خدا داد قابلیت کو برباد کرتا ہے۔

اور رُوحانی احساس اس لئے بخشے گئے ہیں کہ خُدا کی حضوری کو محسوس کر کے اُس سے محظوظ ہوں لیکن بوجہ گناہ اور نافرمانی کے یہ احساس مُردہ پڑ جاتے ہیں، اور تب عقل پرست لوگ سوائے اپنے آپ کے خُدا کی حضوری کو مطلق معلوم و محسوس نہیں کرتے اور آخر نتیجہ دہریہ پن ہوتا ہے۔ اسی طرح قوّتِ اِرادی یا آزاد مرضی بھی اگر خُدا کی مرضی کے تابع ہو کر کام نہ کرے، تو اپنی مرضی پر چل کر بجائے آزادی کے گُناہ کی غلامی میں مُبتلا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ رُوحانی خودکشی ہے۔

۸۔ جیسا کہ دریا کا پانی ایک مُلک سے نکل کر کئی ایک مُختلف ممالک اَور علاقوں میں سے بہتا ہُوا واپس سمُندر میں جا گرتا ہَے، اَور اُس زمین کے جس میں ہوکر دریا بہتا ہَے، مُختلف راجے، مہاراجے اپنی حدُود کے اندر مالک ہیں، لیکن بہتا ہُوا پانی کسی خاص شخص کی ملکیّت نہیں ہَے اَور نہ ہی اُس کو کوئی اپنے علاقہ اَور ریاست میں روک کر رکھ سکتا ہَے۔ کیونکہ وُہ سب ریاستوں اَور صُوبوں میں بہتا ہُوا بھی سب کا سانجھا ہَے اَور سب کو پانی پلاتا ہُوا اَور پیاس بُجھاتا ہُوا سمُندر میں جا پہنچتا ہَے، جہاں سے اُس نے اپنا دَورہ شرُوع کیا، اِسی طرح آبِ حیات کی ندیاں جو زِندگی کے لامحدُود سمُندر یعنی خُدا سے نِکل کر کُل دُنیا میں بہتی ہُوئی ساری مخلُوقات کی پیاس بُجھاتی اَور اُنہیں سیراب و شاداب کرتی ہیں، وُہ سب کے لئے ہیں۔ گویا دُنیا کے مُختلف ممالک اَور اقوام کے اشخاص کی زِندگی میں ہوکر بہے جو کہ نبی اَور رسُول ہیں مگر کُل بنی آدم کے لئے ہَے جو کوئی چاہے آئے اَور جو پیاسا ہو آبِ حیات مُفت لے۔

(مکاشفہ ۲۲ : ۱۷)

نِدا دی ابرِ رحمت نے کھڑے ہوکر یہ ہیکل میں
کہ آبِ زِندگی دیتا ہُوں آئے جس کا جی چاہے

۱۔ دُنیا میں جسمانی اَور رُوحانی دو قِسم کے دُکھ اَور دَرد پائے جاتے ہیں۔ ایک تو رُوحانی ہے جو کہ گُناہ کے باعث خُدا سے جُدا ہو جانے سے پَیدا ہوتا ہے، اَور دُوسرا جسمانی ہے جو کسی بیماری یا چوٹ وغیرہ لگنے سے پَیدا ہوتا ہے۔ علاوہ اِنسان کے دیگر جان دار مخلُوق بھی اپنی اپنی حالت اَور درجہ کے مُطابق دُکھ اَور دَرد محسُوس کرتے ہیں، مگر اتنا نہیں جتنا کہ انسان محسُوس کرتا ہے۔ انسان کے جذبات اَور اعلےٰ عقل و تمیز و خیالات اُس کے دُکھ کو کئی گُنا بڑھا دیتے ہیں، کیونکہ جس قدر زیادہ وُہ سوچتا ہے اُسی قدر اُس کو دُکھ اَور دَرد زیادہ معلُوم ہوتا ہے۔

اکثر شکاری جانوروں کے دانت پنجے اَور چونچ وغیرہ ایسے ہیں کہ اُن کی گرفت سے شکار کا چھُوٹنا بہت دُشوار ہے، اَور یہ اُن کے لئے اچھا ہے تاکہ زخمی ہو کر چھُوٹنے سے زیادہ تکلیف نہ اُٹھائیں، بلکہ فوراً مر جائیں۔ اَور سانپ وغیرہ زہریلے جانوروں کے زہر بدن میں داخل ہو کر اُس کو سُنّ اَور

بے حس کر دیتے ہیں، تاکہ موت بلا تکلیف ہو اور سوائے چند خاص حالتوں کے موت ہمیشہ بغیر کسی قسم کی تکلیف کے واقع ہوتی ہے، کیونکہ مرتے وقت یا تو غنودگی اور نیند کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ الغرض جس بات اور حالت میں جیسا دُکھ درد ہم سمجھتے ہیں درحقیقت ویسا نہیں ہوتا۔ البتہ جو دُکھ درد گناہ کے سبب سے ہے خواہ وہ رُوحانی ہو یا جسمانی، یہ نہایت تکلیف دِہ اور جان کنی کی حالت پیدا کرنے والا ہے۔

۲۔ بہت سے دُکھ و درد ایسے ہیں، جو ہماری رُوحانی زندگی کی ترقی اور بہتری کے لئے نہایت مُفید ہیں، اور خُدا نہیں چاہتا کہ ہم اُن سے بچنے کے لئے کوشش کریں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو کڑوی اور بدمزا معلوم ہوتی ہیں، لیکن دراصل بہت فائدہ مند ہیں۔ بلکہ ہر ایک زہر اور کڑوی شئے کسی نہ کسی دُکھ و بیماری کا علاج اور تریاق ہے، مگر اُن کی اصلیت کی بابت لاعلمی کی وجہ سے اُن کو زہر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اُن کے صحیح استعمال کا علم نہ ہونے کے باعث اُن کا نتیجہ نُقصان دِہ ہوتا ہے ورنہ ہر ایک شئے خُدا نے کسی خاص مقصد کو انجام دینے کے لئے پیدا کی ہے اور وہ اپنی اپنی جگہ پہ مُفید اور کارآمد ہے۔ خالق نے کوئی ایسی شئے خلق نہیں کی جو کہ بذاتہٖ بُری اور خراب ہو اور اُس کی کسی مخلوق کے لئے مُضر اور نُقصان دِہ ہو۔ ایسا ہی رُوحانی زندگی کے لئے ہر ایک دُکھ و درد اور مُصیبت باعث ترقی اور مُفید ہے۔ (رومیوں ۸ : ۲۸)۔ زہر بلا اور نُقصان دِہ اثر صرف خُداداد قابلیت اور دیگر اشیاء کے غلط استعمال

اُور نافرمانی سے پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ دُکھ و درد اُور مختلف امراض نہ صرف اُن کے لئے جو ان میں مُبتلا ہیں، باعثِ عبرت اُور فائدہ بخش ہیں، لیکن اُن کے لئے بھی جو مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں، کیونکہ مدد کرنے میں اُن کے رُوحانی قوا کی ورزش اُور ترقّی ہوتی ہے، جو کہ اُن کے کامل بننے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اُور حقیقی کامیابی اُور فتح یہ نہیں کہ ہم دُکھ درد اُور صلیب اُور موت اُور بدی وغیرہ سے بچائے جاکر فوراً آسمان پہ اُٹھالئے جائیں۔ مگر یہ کہ بفضلِ خُدا دُکھ کو سُکھ میں، صلیب و موت کی زندگی میں اُور بدی کو نیکی میں بدل دیں۔ اِسی لئے ہم اِس جدوجہد اُور کشمکش کی حالت میں رکھے گئے ہیں، کیونکہ ضرور ہے کہ ہم بہت سی مصیبتیں سہہ کر خُدا کی بادشاہی میں داخل ہوں۔ (اعمال ۱۴: ۲۲)۔

دُکھ کے بغیر سُکھ کی، کڑواہٹ کے بغیر مٹھاس کی، بدی کے بغیر نیکی کی، اُور موت کے بغیر زندگی کی اصلیّت اُور قدر معلوم نہیں ہوتی، اِس لئے خُدا کی مرضی یہ ہے کہ پیشتر اس سے کہ اُس کے ساتھ ابدالآباد اُس کی بادشاہی میں داخل ہو کر خوشحال رہیں، اُن تمام حالتوں میں سے گذر کر اُس کا تجربہ کر کے ایک دائمی سبق حاصل کریں۔

۴۔ سمندر میں جس چھوٹے جانور یا سیپی سے موتی پیدا ہوتے ہیں اُس کو بڑی تکلیف اُٹھانا پڑتی ہے، کیونکہ جو ننھّے چھوٹی مچھلی یا کوئی کیڑا یا ریت کا ذرہ وغیرہ اُس میں گھس جاتا ہے، وہ اُس کے لئے باعثِ تکلیف ہوتا ہے۔

اور اِس دُکھ و دَرد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت موتی پیدا ہو جاتے ہیں۔ دُکھ و تکلیف کے ساتھ خوبصورت موتی پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر موتی دُرست حالت میں نہ رکھے جائیں تو چربی وغیرہ چکنی چیز کے لگ جانے سے وہ اپنی آب کھو دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک بھورے سفوف کی صورت میں تبدیل ہو کر پھر خاک میں مِل جاتے ہیں، جیسا کہ بعض پرانی قبروں میں بھی دیکھا گیا کہ جہاں لاش کے ساتھ موتی رکھے گئے تھے، وہ لاش کے ساتھ ہی خاک بن گئے۔ اسی طرح رُوحانی زِندگی بغیر دُکھ و مصائب کے مثل خوب صورت موتی کے نہیں بن سکتی۔ اور اس خوبصورت حالت کو پہنچنے کے بعد بھی اگر فروتنی اور شُکر گذاری کے ساتھ محبّت سے خُداوند کے ساتھ پیوستہ نہ رہیں تو پھر اس اعلےٰ رُتبہ اور حالت سے گِر کر برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۰: ۱۲)۔ اِس لئے جاگتے اور دُعا مانگتے رہنا ضرور ہے۔

۵۔ ہیرے اور دیگر قیمتی پتھّر وغیرہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس زمین کے نیچے گرمی اور سردی وغیرہ کی حالتوں میں سے گذر کر اپنی خوب صورت اور مکمّل حالت کو پہنچتے ہیں۔ اِسی طرح ضرور ہے کہ ہم دُکھ و سُکھ و دَرد کی حالتوں میں سے گزرتے ہوئے کاملیت کو پہنچیں ۔ یاد رہے کہ لعل اور ہیرے وغیرہ کارخانۂ قُدرت میں ایک ہی روز میں تیار ہو کر اپنی موجودہ خوبصورت حالت کو نہیں پہنچتے۔ گو انسان نے اپنی کوشش سے نقلی اور بناوٹی ہیرے وغیرہ بھی بنا لئے، مگر بغور دیکھنے اور پرکھنے سے اُن کی اصلیت اور نقص فوراً معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہم یہ نہ سمجھیں کہ ہم ایک ہی دِن میں فوراً ایسے کامل ہو سکتے ہیں کہ کوئی نقص باقی نہ رہے۔ مگر

لگاتار ہمیشہ اپنے آسمانی باپ کی قربت اور پیاری گود میں رہنے سے اُس کی مانند کاملیت کو پہنچیں گے۔

۶- ہوا اور بارش وغیرہ کے پُر زور طوفان گو نقصان کا باعث معلوم ہوں مگر بہت فائدہ بخش ہیں، کیونکہ طرح طرح کی امراض اور وباؤں کے مہلک جراثیم کو اُڑا اور بہا لے جا کر صاف کر کے ہمارے لئے باعثِ برکت اور صحتِ جسمانی کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح رُوح القدس کی ہوا (یوحنا ۳: ۸) اور دُکھ و مُصیبت کے جھونکے اور طوفان ہمارے لئے باعثِ برکت اور صحتِ رُوحانی کا اعلیٰ ذریعہ ہوتے ہیں، اور آفتاب کی گرمی سے پانی کے بُخارات بادل بن کر بارش کی صُورت میں برستے ہیں اور ریگستان اور خُود گرم جگہ سے ہوا تحریک پا کر چلتی ہے۔ اسی طرح رُوحانی زندگی اور آبِ حیات کی ندیاں بھی آفتابِ صداقت سے جاری ہو کر ہمیں حیات بخشتی ہیں۔

۷- بعض لوگ ایسے ہیں جو اس بات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کہ رُوح کا تقاضا خُدا کے وصل میں پُورا ہوتا ہے، نہ صرف آئندہ جہان میں بلکہ اس دُنیا میں رہتے ہُوئے بھی وُہ اپنی نادانی کے باعث اِس تقاضا کو پُورا نہ ہوتے ہُوئے دیکھ کر خُودکشی کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، اور نہ صرف بداخلاق اور مُجرم بلکہ بعض فلاسفر بھی اس گُناہ کے مُرتکب ہُوئے۔

برعکس اِس کے رُوحانی اور سچّے مسیحی دُنیا میں بہت مُصیبتیں اُٹھاتے ہیں، کیونکہ رُوحانی زندگی میں ترقّی کرنے کے باعث اُن کی دِقّتیں مصائب اور مُشکلات بھی اِسی مقدار سے اُس کے مُطابق بڑھ جاتی ہیں، جِس کو عوام اور

دُنیاوی لوگ نہیں سمجھ سکتے ۔ اِس لئے بجائے مدد اَور ہمدردی کے اُن کی مُخالفت کرتے ہیں تاہم وُہ مایُوس ہوکر خُودکُشی نہیں کرتے ، کیونکہ وُہ خُودی کا اِنکار کرکے خُدا کے وصل میں حقیقی اطمینان اَور راحت حاصل کرتے ہیں۔ گو اُن کا رُوحانی تقاضا تو خُدا میں پُورا ہوجاتا ہَے ، مگر انسان بحیثیت اِنسان کے اپنے ہم جنس کی ہمدردی اَور رفاقت بھی چاہتا ہَے ، اَورجب اُس کے ہم جنس میں اُس کی یہ تمنّا و آرزو پُوری نہیں ہوتی تو مسیح جوکہ خُدا بھی ہَے اَور اِنسان بھی ، اِنسان کے ہر دو تقاضا کو پُورا کر دیتا ہَے ، اَور وُہ نہ صرف عِلم سے بلکہ اپنے ذاتی تجربہ سے بھی اِنسان کی مشکلات و تکلیفات کو جانتا ہَے ، کیونکہ اُس نے خُود اِنسان بن کر دُکھ و درد سہا ۔ اَور اب پُورے طور سے مُصیبت زدوں کی ہمدردی اَور مدد کر سکتا ہَے (عبرانیوں ۲ : ۱۸) ۔

۸ ۔ نیک اَور رُوحانی آدمی دُنیا میں ہمیشہ دُکھ اُٹھائے گا ، (۲ تمتھیُس ۳ : ۱۲) اِس لئے کہ لوگ اُس کو نہیں سمجھ سکتے اَور چُونکہ اُن کے ضمیر اَور رُوحانی احساسات کہ یہی سچّائی کو معلُوم کرکے اُس کی قدر کرنے والے ہوتے ہیں ، گُناہ کے باعث بے حِس اَور مُردہ پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا جب وُہ کِسی نیک اَور راست باز شخص کو مِلتے ہیں تو اُس کو اپنی خصلت اَور روِش کے برعکس پاکر اُس کو ستانے کے لئے مجبُور ہوتے ہیں لیکن جن کے رُوحانی احساس اَور ضمیر زِندہ اَور بیدار ہیں وُہ حق کا ساتھ دیتے ہیں ، اَور راستبازی کی خُوشبُودار اَور خُوبصُورت زِندگی سے متاثر ہوتے ہیں ۔

سچے مسیحی کی زِندگی مِثل صندل کی لکڑی کے ہَے کیونکہ جو کلہاڑی اُس کو کاٹتی

ہے وُہ اُس کو بجائے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کے اپنی خوشبُو سے معطّر کر دیتی ہے۔

جیسا کہ خُدا نے ہینری سسو کو ایک رویا میں فرمایا، وُہ بہت سے بلکہ بے شمار مسیحیوں کے تجربہ میں آ چکا ہے، یعنی یہ کہ "تیری نیک نامی کی بدنامی سب کے سامنے ہو گی، اور جہاں کہیں تجُھے محبّت اور وفاداری کی اُمید ہو گی، وہاں تُو دھوکا اور دُکھ و مُصیبت پائے گا"۔

اِس دُنیا میں جہاں تمام خُدا پرست، نبی، رسُول حتّٰی کہ خود ہمارے خُداوند بھی ستائے گئے آرام کی اُمّید رکھنا حقیقت کے خلاف اور خُدا سے مُنہ موڑ کر دُنیا کا ساتھ دینا ہے۔ بر عکس ازیں یہ ایک بڑی عزّت کی بات ہے کہ خُداوند کے ساتھ "اُس کے دُکھوں میں شریک" (فلپیوں ۳ : ۱۰) ہوں تب وقت مقرّرہ پر اُس کے ساتھ ابدی جلال میں بھی شریک ہوں گے اور بادشاہی کریں گے۔ (۲ تیمتھیُس ۲ : ۱۲)

۹ - پیشتر اس سے کہ انسان اپنی منزلِ مقصُود کو پہنچے، اُس کو دُنیا میں دُکھ و مصائب اور آزمائشوں میں سے گذرنا پڑتا ہے، اور خُدا بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم اُن تمام حالتوں میں ہو کر گذریں جو کہ ہماری رُوحانی زندگی اور آئندہ کی بہتری کے لئے نہایت مُفید ہیں۔ اگر خُدا نہ چاہتا تو یہ حالتیں ہمیں درپیش نہ آتیں، اور اگر وُہ چاہتا ہے، تو پھر ہم کون ہیں جو نہ چاہیں؟ یا اُس میں چُون و چرا کریں پس لازم ہے کہ جو کُچھ بھی ہمارے درپیش آئے اُس کو بہ خُوشی قبول کریں، اور کسی قسم کے شک و شُبہ کو دِل میں جگہ نہ دیں۔ کیونکہ شک رُوح کے

اُس رُخ اَور قابلیت کو خُدا کی طرف سے پھیر کر نکمّا اور بے کار کر دیتا ہے جس سے اِنسان خُدا سے میل حاصل کر کے اُس کی رفاقت سے محظُوظ اَور مسرُور ہوتا ہے۔

جب تک ہم اِس دُنیا میں ہیں دُکھ و سُکھ ہر دو حالتوں سے گُذرنا ضروری ہے۔ شہد کی مکھّی صرف شہد ہی جمع نہیں کرتی مگر کسی خاص مقصد کی انجام دہی کے لئے اُس میں ڈنگ بھی موجُود ہے اَور خُوب صُورت اَور خُوشبُودار گلاب کے پھُولوں کے ساتھ کانٹوں کا ہونا بھی بلا کسی مقصد اَور مطلب کے نہیں ہے، اَور پولُوس رسُول کا "جسم میں کانٹا" (۲-کرنتھیوں ۱۲: ۷-۱۰) بھی ایک اعلیٰ مُدّعا و مقصد کو انجام دینے کے لئے تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہمارا بھی ایسی حالتوں میں سے گُذرنا ایک آخری و اَبدی مقصد کی انجام دہی کے لئے نہایت ضروری امر ہے۔

بدی کیا ہے؟

۱۔ "بدی خلافِ فطرت یا غیر طبعی اور ہمارے قانونِ ہستی کے خلاف اور نقیض ہے"۔ (وچکوٹ)۔ اور " جیسا کہ مادہ کا غلط جگہ پر ہونا میل کہلاتا ہے، ایسا ہی بھلائی کا غلّہ اور نا مناسب جگہ پہ ہونا بدی ہے۔ یہ کسی قسم کے حادثہ سے پیدا ہوتی ہے"۔ تمام بدی کسی بھلائی اور فائدہ حاصل کرنے کے مقصد سے کی جاتی ہے۔ کوئی بدی کو بدی سمجھ کر نہیں کرتا، کیونکہ کوئی شخص دیدہ دانستہ اپنا نقصان نہیں چاہتا، خواہ وہ کیسا ہی بد اور گنہگار ہو۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ " بُری چیزوں یا باتوں کی تہ میں بھی بھلائی اور نیکی کی رُوح موجود ہے"۔

بدی کسی شئے کی ذاتی صفت نہیں ہے کہ جس کو خدا نے خلق کیا ہو۔ یہ انسان کو برباد کرتی ہے، اور جس زہریلے اثر سے یہ دوسروں کو برباد اور ہلاک کرتی ہے، وہی اثر خود اس کو ہمیشہ کے لئے برباد اور نیست و نابود کر دے گا، کیونکہ بقا صرف نیکی کو ہے جو کہ خدا کی صفت ہے۔ بدی کو بقا صرف اُس حالت میں ہو سکتی تھی اگر یہ کسی دائمی اور ابدی شخصیّت کی صفت ہوتی۔ اگر یہ کہیں کہ شیطان کی صفت ہے تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ اس کو بھی خالق نے

نیکی کی حالت میں پیدا کیا تھا، اور یہ بدی کی حالت اِس میں بعد ازاں اِس کی اپنی فعلِ مختاری سے پیدا ہوئی۔ پس بدی ازلی نہیں ہے، اور جس شئے کا شروع ہے، اُس کا آخر اور خاتمہ بھی ضرور ہوگا۔ خصوصاً بدی کا جو کہ برباد کُن حالت ہے۔

۲۔ چاپن کا ایک فلاسفر بنام چُوفُو تزُد لکھتا ہے کہ اِنسان بوقتِ پیدائش چشمہ کے صاف پانی کی مانند ہے جو پہاڑ اور میدان میں بہتے ہوئے مٹی و کیچڑ کے ملنے سے گدلا اور میلا ہوجاتا ہے، اور اگر پھر ایک جگہ تھم جائے تو مٹی اور کیچڑ کے تہ میں بیٹھ جانے سے پھر صاف ہوجاتا ہے۔ ایک دُوسرے فلاسفر مینشئس نے کہا کہ اِنسان مثل ایک دانہ کے ہے جو بذاتہٖ بُرا نہیں، مگر بوئے جانے سے اُس کا اچھا یا بُرا ہونا زمین، کھاد اور پانی وغیرہ اور پھر نشوونما کے سامان پر موقوف ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ انسان طبعاً اور جبلی طور پر نیک ہے، مگر نواحیت اور حالات اِس کو بُرا بنا دیتے ہیں۔

ایک صورت میں یہ دُرست ہے، مگر موروثی گُناہ یا طبیعت کا بدی کی طرف میلان ہونے سے اِنکار نہیں ہوسکتا۔ مثلاً چھوٹے بچوں کو لیجئے، جن کو لوگ معصوم کہتے ہیں۔ اُنیسویں صدی کا مشہور فلاسفر ہربرٹ سپنسر کہتا ہے "یہ عام خیال کہ بچے "معصوم" ہیں گو بلحاظ علم کے یہ صحیح ہے، مگر بلحاظ بدی کی طرف رغبت اور میلان کے بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔"

۳۔ جب اِنسان رُوحانی بھوک و پیاس کو محسوس کرتا ہے تو بوجہ نادانی اور جہالت کے ناجائز طور پر سیری اور آسودگی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بدی یعنی خدا کی نافرمانی کر کے بجائے سیری حاصل کرنے کے بھوک تو بھوک خود اپنا ستیاناس کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ہمالیہ پہاڑوں میں ایک دفعہ ایک بھوکے مسافر نے اپنی بھوک کو مٹانے کے لئے ایک زہریلے پھل کو جو دیکھنے میں خوشنما اور اچھا معلوم ہوتا تھا، توڑ کر کھا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا اور اس کی بھوک دونوں کا فنا نہ ہوگیا، اور بجائے سیری و آسودگی حاصل کرنے کے ہمیشہ کے لئے مر مٹے۔

۴۔ جب بدن میں کوئی بیماری یا زخم ہو، تو دو قسم کے یعنی صحت اور بیماری کے چھوٹے کیڑوں کی آپس میں کشمکش اور جنگ ہوتی ہے اور جو تعداد اور طاقت میں بڑھ جائیں وہی غالب آتے ہیں۔ یعنی اگر صحت کے جراثیم غالب آجائیں تو صحت و تندرستی کی فتح ہوجاتی ہے، اور اگر صحت کے جراثیم مغلوب ہوجائیں تو انسان کی زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ایسا ہی نیک و بد خیالات کا اور اچھے اور بُرے لوگوں کی زندگی کا حال ہے۔ اگر بوقتِ آزمائش نیک خیالات بُرے خیالات پر غالب آتے رہیں تو نتیجہ اس کا صحتِ روحانی اور حقیقی خوشی ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ خدا کے فضل سے اس کے لوگ ہمیشہ کے لئے فتح پائیں گے، اور بدی کو نیست و نابود کر دیں گے، کیونکہ بقا صرف نیکی کو حاصل ہے، نیز اُن کو جو کہ تمام نیکی کے سرچشمہ ہیں اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

خراب زندگی اور بُرے خیالات کا اثر

۱۔ "خراب دوست کا بُرا خیال یا اشارہ بلُوط کے نئے پتّے میں کیڑے کے ڈنگ کی مانند ہے، جو کہ پتّے کے پُورے قد کو پہنچنے کے وقت ماجُو پھل کی صُورت میں پک جاتا ہے۔"

سانپ کا زہر سانپ کو اور بچھّو کا ڈنگ بچھّو کو نُقصان نہیں پہنچاتا مگر دُوسرے بے ضرر جان داروں کو۔ ایسا ہی ایک بدکار اور بُرے شخص کی زندگی کا خراب، اور زہریلا اثر اور حملہ بدکاروں کے لیئے اِتنا نُقصان دِہ اور مُضِر نہیں ہوتا جتنا کہ ایک شریف اور نیک شخص کے لِئے مُضِر اور مُہلک ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ جاوا کا ایک پودا اُپاس اور امریکہ کا زہریلا آئیوی ایک قسم کا زہریلا رس یا تیل پَیدا کرتے ہیں، جو کہ چاروں طرف ہوا میں پھیل کر جنتوں کے لئے خطرناک اور مُہلک بیماری پَیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ ایسا ہی بدکاروں کی زندگی کا زہریلا اثر نامعلوم طور پر چاروں طرف پھیل کر طرح طرح کی

رُوحانی امراض پَیدا کرتا اور بہتوں کے لئے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

۳۔ یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے، کہ مضبُوط لکڑیوں کو کاٹ کر برباد کرنے والا گھُن اور سمُندر کی چٹانوں میں سوُراخ کرنے والے کیڑے نہایت کمزور اور نازک ہوتے ہیں، تو بھی مضبُوط لکڑیوں اور پتھروں میں گھُس کر اُن کو ہمیشہ کے لیئے خراب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بُرے خیالات اور عادات کے جراثیم خواہ کیسے ہی کمزور اور ناچیز معلُوم ہوں، اگر ہم ہوشیار نہیں رہتے اور خُدا سے مدد حاصل کر کے اُن کو ہلاک نہیں کرتے، تو یہ ہماری زندگی کو گھُن کی طرح کھا کر ہمیشہ کے لئے کھوکھلا، بے کار اور برباد کر دیں گے۔

۴۔ زہریلے جانور وغیرہ تو کاٹ کر اپنا زہر زخم میں ڈالنے سے باعثِ ہلاکت ہوتے ہیں مگر کھٹمل اور مکھیّاں گو زہریلے جانوروں میں شمار نہیں ہوتے تاہم ایک صُورت میں اُن سے کچُھ کم خطرناک نہیں، کیونکہ وُہ طرح طرح کی مُہلک امراض کے جراثیم پھیلا کر بہتوں کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بہُت سے لوگ ہیں جو کہ خُونی ڈاکوؤں اور بدمُعاشوں کی طرح بظاہر ایسے خطرناک معلُوم نہیں ہوتے، مگر نامعلُوم طَور سے بے لگام زبان سے اور دوُسروں کی خطرناک باتوں اور زہریلے اثر کو جابجا پھیلا کر بے حد خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

۵۔ ایک قسم کے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جو کہ کچّے پھل میں گھُس کر اُس میں پرورش پاتے اور انڈے بچّے دے کر اُس میں بڑھتے رہتے ہیں۔ اگرچہ پھل کے بڑھنے سے باہر کے سُوراخ بند ہو جاتے ہیں جہاں سے وُہ کیڑے اندر گھُسے

تھے اور بظاہر پھل اچھا اور خوشنما دکھائی دیتا ہے، لیکن اندر سے کیڑے اُسے کھا کر کھوکھلا اور بے کار کر دیتے ہیں۔ اِسی طرح جو بد خیالات و عادات کے کیڑے بچپن اور لڑکپن میں اِنسان کے دِل اور دماغ میں گھس کر رفتہ رفتہ بڑھتے رہتے ہیں وہ اندر ہی اندر اُس کی زندگی کو بالکل بے کار اور برباد کر دیتے ہیں۔ اِس لئے لازم ہے کہ ہم شروع ہی سے ہوشیار اور بیدار رہیں۔

میکسیکو میں ایک قسم کے بیج ہیں جو کہ "کودنے والے دانے" کہلاتے ہیں، کیونکہ وہ گرمی پا کر دھوپ میں سے سرکتے ہوئے کسی چیز کے سایہ اور آڑ میں جا ٹھہرتے ہیں۔ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب یہ بیج بادا نے چھوٹے ہوتے ہیں تو ایک قسم کے کیڑے اُن میں سوراخ کر کے گھس جاتے ہیں، اور دانے کے گودے کو کھا کر جیتے ہیں اور بیج کے اُگنے اور بڑھنے کی قابلیت کو ہمیشہ کے لئے برباد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح گناہ کے جراثیم اِنسان کی زندگی میں داخل ہو کر اُس کو دانوں کی طرح آفتابِ صداقت کی گرمی اور روشنی میں سے دھکیل کر تاریکی میں لے جاتے ہیں، اور اِس کی زندگی کی نابالیت اور گودے کو کھا کر اُسے ہمیشہ کے لئے نکما اور برباد کر دیتے ہیں۔

۶۔ چونکہ انسان کو خدا نے اپنی مانند بنایا ہے، لہٰذا اُس کو کوئی شئے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی، بشرطیکہ وہ خود اپنی آزاد مرضی سے گناہ و بدی میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔

اور اگر ہم گناہ کریں تو اِس سے خدا کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ

ہم خود اپنا اور دوسروں کا جن سے ہمارا تعلق و رشتہ ہے نقصان کرتے ہیں، اور خدا جو محبت ہے یہ چاہتا ہے کہ ہم گناہ اور ہر قسم کی بدی سے بچ کر اُس کی صحبت میں ہمیشہ خوش رہیں۔ مگر گناہ اِس صحبتِ اقدس سے انسان کو محروم رکھتا ہے، اور انسان کا ایک دوسرے کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ دوسروں کے نقصان میں ہمارا نقصان اور ہمارے نقصان میں دوسروں کا نقصان ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ ہم بغیر دوسروں کو نقصان پہنچائے صرف اپنا ہی نقصان کریں۔ کسی نہ کسی صورت میں ہمارے ہم جنس ضرور اچھے اور بُرے اثر سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے توبہ کا مطلب یہ ہے، کہ آئندہ ہم اُن کاموں سے باز آئیں جن سے خود ہم کو اور دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے، اور جو کچھ ہو چکا خدا کی مدد اور فضل سے اُس کی تلافی کے لئے کوشش کریں، جیسا کہ زکائی نے کہا۔ "اے خداوند دیکھ میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں۔ اور اگر کسی کا کچھ ناحق لے لیا ہے تو اُس کو چوگنا ادا کرتا ہوں .....الخ" (لوقا ۱۹: ۸-۱۰)۔

۷

مسیح میں زندگی

۱۔ زندگی خون میں ہے، اور مسیح اپنا خون بہا کر ہمیں زندگی بخشتا ہے۔ چونکہ اکثر بیماریوں سے بچنے کے لئے ٹیکہ لگایا جاتا ہے، اسی طرح مسیح کے خون کا ٹیکہ ہم کو گناہ کی تمام مہلک امراض اور موت سے بچاتا ہے۔ چونکہ کل خلقت وکائنات ایک جسم کی مانند ہے اور ہر ایک عضو کا تعلق گویا کل جسم سے ہے۔ اس لئے اگر ایک عضو کی خاص تکلیف و بیماری کو دور کرنے کے لئے ٹیکہ لگایا جائے تو سارا جسم اس سے متاثر ہوتا ہے، گو خصوصیت کے ساتھ ایک ہی عضو کا فائدہ مقصود ہے۔ اسی طرح مسیح گو کل دیدنی و نادیدنی کائنات یا یونیورس کے جسم کے ایک ہی حصہ میں مصلوب ہوا، جو کہ دنیا کہلاتا ہے، مگر کل خلقت اور کائنات اس سے متاثر ہوئی، اور اگرچہ دنیا اس میں شامل ہے، اور جیسا کہ روح کل جسم میں ہے، ایسے ہی خدا کل مخلوقات و موجودات میں موجود ہے۔ چنانچہ مقدس بوناونچورا نے کہا ہے کہ "اس کا مرکز تو ہر کہیں ہے لیکن دائرہ اور حد کہیں نہیں۔"

۲- مسیح ہماری خاطر گُناہ یا گُنہگار ٹھہرایا گیا، اور گنہگار کی موت مرا، جیسا کہ ایک نیک آدمی کی بابت ذکر ہے جو بدکاروں کو بدی سے بچانے کے لئے اُن کے بیچ میں جا رہا، اور بہتوں نے بمصداق "کُند ہم جنس با ہم جنس پرواز" یہ سمجھا کہ یہ مردِ خُدا بھی اُن بدمعاشوں کا ساتھی ہے اور جب اُنہوں نے سخت گُناہ کئے تو یہ مردِ خُدا ذمّہ دار اور ضامن کی صورت میں گرفتار کیا گیا، اور اُن کے گُناہوں میں شریک سمجھا گیا اور اُسے موت کی سزا دی گئی جو کہ اُس نے بخوشی منظور کی۔ اب بدکاروں کو تو تمام کیفیّت معلوم تھی، لہٰذا اُس کی موت کے بعد یہ سوچ کر کہ مردِ خُدا محض ہماری خاطر موت کا سزا وار ٹھہرا، ایسے متاثر ہوئے کہ اُن میں سے بہتوں نے سچّی توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے بدکاری اور ہر قسم کی بداعمالی کو ترک کر دیا۔ ایسا ہی مسیح نے کیا جس کی نجات بخش تاثیر ہمیشہ زندہ ہے۔ جیسے گنہگار اُس کی عجیب محبّت سے اثر پذیر ہو کر اور توبہ کر کے اُس کی طرف دِل لگاتے ہیں، تو وُہ اُن کی رُوحوں میں بدی کو مٹانے کا اور زندگی بخشنے کا گہرا اثر پیدا کر کے نیا جنم بخشتا ہے اور یُوں وُہ ہمیشہ کے لئے نئے مخلوق بن کر اُسی کی مانند بن جاتے ہیں۔

۳- ایک دفعہ ۱۹۲۱ء میں ہمالیہ پہاڑ پر ایک جنگل میں آگ لگ گئی۔ بہت سے لوگ آگ بجھانے میں مصروف تھے۔ کئی ایک کی توجہ ایک پیڑ پر جہاں ایک گھونسلے میں چڑیا کے بچّے تھے مبذول دیکھ کر میں نے اُن سے اس کا سبب دریافت کیا۔ اُنہوں نے چڑیا کی طرف اشارہ کر کے جو جلتے ہُوئے پیڑ کی شاخوں پر بڑی بے چینی کی حالت میں گھونسلے کے اُوپر اُڑ رہی تھی کہا کہ "ہم اس کے

بچّوں کو بچانا چاہتے تھے، مگر اَب پیڑ کے چاروں طرف آگ لگ جانے کے سبب سے ناممکن ہے اَور ہم چڑیا کی طرف دیکھ رہے ہیں جو کہ اُن کو بچانے کے لیئے کوشش کر رہی ہے "۔ چند ہی منٹ میں اُس گھونسلے کو بھی آگ لگ گئی۔ اَب ہمارا خیال تھا کہ چڑیا بچّوں کو چھوڑ کر وہاں سے ہٹ جائے گی، لیکن ہم اپنے خیال کے برعکس دیکھ کر نہایت حیران ہُوئے جب وہ اپنے پَر پھیلا کر بچّوں پر بیٹھ گئی، اَور اُن کے ساتھ ہی جل کر راکھ ہو گئی۔ ایسا عجیب نظّارہ مَیں نے پیشتر کبھی نہ دیکھا تھا۔ تب مَیں نے اُن لوگوں سے جو وہاں کھڑے تھے کہا کہ ہم اِس عجیب محبّت کو دیکھ کر حیران ہیں۔ پر ذرا غور کیجئے کہ جب اِس ادنیٰ مخلُوق میں ایسی حیرت انگیز محبّت پائی گئی، تو جس نے اِس چڑیا میں ایسی بے غرض محبّت کا مادہ پیدا کیا خُود اُس کی محبّت کیسی عجیب اَور بے حد ہوگی، جو کہ کُل زِندگی اَور محبّت کا سرچشمہ ہے پس اُس کی اِس بے پایاں اَور لامحدُود محبّت نے اُس کو مجسّم ہو کر اِس دُنیا میں آنے کے لئے مجبُور کیا تاکہ ہم کو جو اپنے گُناہوں اَور بدیوں میں ہلاک ہو رہے تھے خُود اپنی جان دے کر نجات بخشے۔

۴۔ حق کی سچائی کا ثبُوت بے شمار لوگوں کے ذاتی تجربہ سے مِلتا ہے کہ وہ اِن کے لئے کس قدر ضرُوری، مُفید، حسبِ حال اَور زِندگی بخش ثابت ہو رہا ہے۔ ہر ایک تجربہ کار مسیحی اِس کا شاہد ہے۔ فروری ۱۹۲۲ء میں جب مَیں اپنے ایک دوست کے ساتھ یعقُوبؑ کا کنوآں دیکھنے کے لئے گیا، اَور اُس کا ٹھنڈا اَور میٹھا پانی پیا تو ایک عجیب خُوشی اَور راحت حاصل

ہُوئی لیکن اِس پانی کو پی کر دو ایک گھنٹے کے بعد پھر پیاس لگی۔ اُس وقت خُداوند کے اُن الفاظ نے دِل پر ایک عجیب تاثیر کی کہ "جو کوئی اِس میں سے پیتا ہے وُہ پھر پیاسا ہوگا۔ مگر جو کوئی اُس پانی میں سے پیئے گا، جو مَیں اُسے دُوں گا وُہ اَبد تک پیاسا نہ ہوگا" (یُوحنّا ۴: ۱۳-۱۴) اگرچہ یعقُوب کے کُنوئیں کا پانی پی کر مَیں فوراً پیاسا ہُوا، مگر شُکر گُذاری کے ساتھ کہہ سکتا ہُوں کہ اَب تقریباً بیس برس ہو گئے کہ جب سے مَیں نے اپنا دِل اُس کو دیا اَور اُس پانی میں سے پی کہ جو اُس نے مُجھے دیا مَیں آج تک کبھی پیاسا نہیں ہُوا، کیونکہ وُہ فی الحقیقت آبِ حیات ہے۔

۵۔ اگر مسیح کی شخصیت اَور اُس کی باتوں کی صداقت کے بارے میں جو کہ "رُوح ہیں اَور زِندگی بھی ہیں"۔ (یُوحنّا ۶: ۶۳) ایک صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ اِقتباس کریں تو غیر موزُوں نہ ہوگا۔ "مسیح کی تعلیم کا اندازہ اُس کے وقت اَور جگہ سے جہاں وُہ رہا یا کِسی اَور جگہ اَور زمانہ سے مُقابلہ کرو، اَور غور کرو کہ اُس کی باتوں اَور عجیب کاموں نے دُنیا میں کیا کُچھ کر دکھایا ہے۔ یاد رکھو کہ کِسی دُوسرے اعلیٰ صاحبِ دل و دماغ نے یا کِسی دانش مند نے اِس سے بڑھ کر اعلیٰ مُدّعا اَور سچّا طریقہ خُدا اَور اِنسان سے کامِل محبّت رکھنے کا پیش نہیں کِیا۔ اگر ہم سے کہا جائے کہ یہ سب ایک افسانہ یا جھُوٹی کہانی ہے، اَور کوئی ایسا شخص دُنیا میں نہیں تھا تو فرض کرو کہ افلاطُون اَور نیوٹن کوئی حقیقی شخص نہ تھے تو اُن کے عجیب کام کِس نے کئے، اَور اُن کے خیال کِس کو سُوجھے؟ نیوٹن کو فرضی و جعلی ثابت کرنے

کے لئے بھی ایک نیوٹن کی ضرورت ہوگی، اور مسیح کی شخصیت اور ہستی کو بھی صرف ایک حقیقی اور زندہ مسیح ہی ثابت کر سکتا ہے"۔

محض عقل و تہذیب اور علمِ اخلاق یا فلسفہ انسان کو گناہ اور بے لگام جذبات پر غالب آنے کے لئے مدد اور طاقت نہیں بخش سکتے۔ اگر قدرت و فضلِ الٰہی شاملِ حال نہ ہو تو دُنیاوی تعلیم اور تہذیب بجائے کسی کی مدد کرنے کے گناہ اور بدی کے اور ایک دُوسرے کی ہلاکت و بربادی کے نئے نئے ڈھنگ اور طریق ایجاد کرے گی۔ لہٰذا گناہ اور اُس کے تمام بُرے نتائج سے بچنے کے لئے اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دیں جو کہ پوری نجات اور ابدی حیات بخشتا ہے۔

۸
آخر کار کُل اِنسان توبہ کرکے خُدا کی طرف پھریں گے

۱۔ "ہمارے وجود اور عقل کی بناوٹ ایک واجب الوجود اور لامحدود ہستی کو ماننے کے لئے مجبور کرتی ہے"۔ اور جیساکہ چقماق کے پتھر میں آگ ویسے ہی اِنسان کے دِل میں خُدا کے ساتھ رفاقت کے لئے خواہش موجود ہے۔ گو یہ گناہ اور جہالت کے ملبہ تلے دبی اور پوشیدہ رہے مگر جونہی کسی مردِ خُدا سے سابقہ پڑتا یا خُدا کی رُوح چھُو جاتی ہے، تو وُہ فوراً نمایاں و نمودار ہو جاتی ہے، جیساکہ چقماق میں سے لوہے وغیرہ کسی چیز کے ساتھ ٹکرانے سے آگ پیدا ہوجاتی ہے۔

اِنسان میں ایک رُوحانی تقاضا ہے جو نہ تو اس جہان میں اور نہ ہی آئندہ جہان کی کسی شئے میں پُورا ہوسکتا ہے، مگر یہ صرف خُدا ہی میں پُورا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اِنسان اِدھر اُدھر دھکّے اور ٹھوکریں کھانے کھاتے آخرش تائب ہوکر خُدا کی طرف پھرے گا۔

۲۔ خُدا یہ نہیں چاہتا کہ ہم اپنے ناقص علم اور دلائل سے اُس کی ہستی کو ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اُس کی یہی مرضی ہوتی تو وُہ خود خاموش نہ رہتا، بلکہ ہماری عقل اور خیالات سے کہیں بڑھ کر معقُول ثبوُت دے سکتا۔ مگر اُس کی مرضی یہ ہے کہ اُس کے لوگ اُس کی حیات بخش اور شیریں رفاقت سے محظُوظ و مسرُور ہو کر اُس کی شہادت دیں، کیونکہ یہ ذاتی اور حقیقی تجربہ کی شہادت بہ نسبت عقلی دلائل کے زیادہ کارگر اور مُفید ثابت ہوتی ہے۔

خُدا کو جیسا وُہ اپنی ذات میں ہے نہ تو کسی نے کبھی دیکھا، اور نہ ہی کبھی اُس کی آواز سُنی۔ گو وُہ بذریعہ نبیوں اور رسُولوں کے بولتا رہا اور آخر میں اُس نے اپنے بیٹے کے وسیلے سے کلام کیا۔ (عبرانیوں ۱:۱، ۲) اور جیسا کہ ایک یہُودی فلاسفر فائلو نے کہا کہ " انسان کی آواز تو سُننے کے لئے بنی ہے، مگر خُدا کی آواز دیکھنے کے لئے جو کچھ خُدا فرماتا ہے وُہ الفاظ سے نہیں بلکہ اُس کے کاموں سے آشکارا ہے"۔ یعنی وُہ بذریعہ کتابِ فطرت اور اپنی مخلُوقات کے کلام کرتا ہے، مگر افسوس ہے کہ لوگ اُس کتاب کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہربرٹ سپنسر نے کہا کہ " بیشک یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ لوگ اپنے آپ کو طِفلانہ باتوں میں مصرُوف رکھتے ہیں، مگر ظہُورِ اعلیٰ یا نظارۂ عظیم کی طرف سے بے پرواہ رہتے ہیں، اور سطحِ زمین پر خُدا کی اُنگلی کی لکھی ہُوئی نہایت اعلیٰ اور خُوبصُورت عبارت و تحریر کی طرف بغیر نظر ڈالے گذر جاتے ہیں۔

۳۔ اگر کوئی بُت پرست بجائے خُدا کے ایک پتھّر کی پرستش کرکے گویا ایک قسم کا اِطمینان اَور آسُودگی ظاہر کرتا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس پتھّر میں کسی قسم کی سیری وآسُودگی بخشنے کی قابلیّت موجُود ہے۔ البتّہ یہ بعض لوگوں کے لئے خُدا کی طرف محض دھیان جمانے کا ایک وسیلہ ہو سکتا ہے اَور خُدا اُن کے ایمان کے مطابق اُن کو تسلّی بخشتا ہے۔ لیکن خطرہ اَور نقصان اِس بات میں ہے کہ پرستار آگے ترقّی نہ کریں اَور پتھّروں کی نواحیّت سے متاثر ہوکر بے حِس وحرکت خُود بھی پتھّر کی طرح پڑے رہیں اَور اپنے اَور پتھّر ہردو کے خالق کو نہ پہچانیں جو کہ در پردہ موجُود ہے اَور تمام سچّے پرستاروں کی دِلی مُراد کو پُورا کرتا ہے۔"

۴۔ اِنسان کی سرشت میں ایک ایسا عنصر یا تُخمِ الٰہی موجُود ہے جو کبھی گُناہ اَور بدی کی طرف مائل نہیں ہوتا، خواہ اِنسان کیسا ہی خراب اَور بدکار ہو، اَور آوازِ فرمانِ الٰہی کا شنوا نہ ہو چاہے اُس کے ضمیر و رُوحانی احساس سُنّ پڑ جائیں تاہم یہ تُخم ہلاک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گُنہگاروں اَور جرائم پیشہ لوگوں میں بھی کوئی نہ کوئی اچھّی بات پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض ڈاکو جنھوں نے بڑی بے دردی اَور بے رحمی کے ساتھ لوگوں کو قتل کیا، اُنھوں نے اکثر غریبوں اَور مظلوموں پر ترس کھاکر اُن کی مدد کی، اَور اگر یہ تُخم نہیں مرتا یا ہلاک نہیں ہوسکتا تو ہمیں کِسی گُنہگار کے لئے بھی نااُمید یا مایُوس نہ ہونا چاہیئے، اَور اگر یہ کہیں کہ یہ تُخم برباد اَور ہلاک ہوسکتا ہے، تو پھر خُدا سے بوجہ گُناہ جُدائی کا رنج کیسا اَور

دوزخ کی تکلیف کیسی کیونکہ اس دردوغم کو معلوم ومحسوس کرنے والا تو صرف یہی "تخم" "شعلہ" یا "چنگاری" ہے۔ مگر اس صورت میں دوزخ دوزخ ہی نہ ہوگا، اور اگر دُکھ درد معلوم ہوگا، تو اس سے تنگ آکر بچنے کے لئے اِنسان کسی نہ کسی وقت ضرور خُدا کی طرف پھرے گا۔

اِنسان خُودمختار اور آزاد ہے اور وُہ اِس آزادی کے غلط استعمال سے اپنے آپ کو اور دُوسروں کو بہت نقصان پہنچا سکتا ہے مگر اتنا نہیں کہ وُہ خُود اپنی ہستی یا اُس میں تخمِ الٰہی کو نیست ونابُود کر سکے۔ ایسا کرنے کی قدرت اور اختیار سوائے اُس کے خالق کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے اور خالق بھی اس کو نیست ونابُود نہ کرے گا۔ اگر اُس نے نیست کرنا ہوتا تو اس کو پیدا ہی نہ کرتا اور اگر ایسا کرے تو اس کے نتیجہ سے اُس کی لاعلمی اور پیدا کرنے کی غلطی ثابت ہوگی جو کہ خُدا کے لئے ناممکن ہے۔

اِنسان نے نہ اپنی رُوح کو پیدا کیا ہے اور نہ ہی وُہ اُس کو مار سکتا ہے۔ اور خالق نے ہر ایک مخلُوق کو کسی خاص مقصد سے خلق کیا ہے اور جب کہ نہ اِنسان اور نہ ہی خُدا انسان کی رُوح اور اُس میں تخمِ الٰہی کو ہلاک کرے گا، تو اُس کے پیدا کرنے کا مقصد بھی کسی وقت پُورا ہوگا، اور گو یہ بھٹک کر گُمراہ ہوجائے مگر آخر کار جس کی مانند اور صُورت پہ یہ پیدا کیا گیا ہے پھر اُس کی طرف پھرے گا، کیونکہ یہی اُس کی منزلِ مقصُود ہے۔ اِس تخمِ الٰہی کی بابت گسلر صاحب یُوں لکھتے ہیں کہ "یہ عنصر یا چنگاری کُل آدمیوں میں رُوح کے ساتھ خلق کی گئی جو کہ اُن میں ایک نُور ہے، اور ہر طرح سے گُناہ کے

خلاف کوشش کرتا ہے اور استقلال کے ساتھ نیکی کا پیچھا کرتا ہے، اور ہمیشہ اُس چشمہ کی طرف اُبھارتا رہتا ہے جس سے یہ پیدا ہوا" تاکہ "جیسا بدن رُوح سے زندہ ہے، ایسا ہی رُوح خُدا سے زندہ ہے" اور خُداوند فرماتا ہے کہ "اگر میں زمین سے اُونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا" (یُوحنّا ۱۲: ۳۲) اور چُونکہ خُدا نے انسان کو اپنی صُحبت و رفاقت میں رہنے کے لئے پیدا کیا ہے، لہٰذا وُہ ہمیشہ کے لئے اُس سے جُدا نہیں رہ سکتا۔

۹

خُدا کی بادشاہت

۱۔ خُداوند فرماتا ہے کہ "جب تک کوئی نئے سِرے سے پَیدا نہ ہو وُہ خُدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا"۔ داخل ہونا تو درکنار مگر دیکھ بھی نہیں سکتا۔ جسمانی آنکھیں صرف دُنیاوی اَور مادی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں، مگر خُدا جو کہ رُوح ہے اُس کو اور اُس کی رُوحانی بادشاہی کو دیکھنے کے لئے رُوح سے پیدا ہونا ضرور ہے (یُوحنّا ۳: ۳ و ۵ و ۶) اَور تب رُوحانی آنکھوں سے ہم نہ صرف اُس کو دیکھیں گے، بلکہ ہمیشہ اُس کے ساتھ بادشاہی بھی کریں گے۔

جب اِنسان گُناہ سے تائب ہو کر خُداوند پر ایمان لاتا ہے تو خُدا کی رُوح اُس کے اندر کام کرتی ہے، اَور وُہ از سرِ نو پَیدا ہو کر نیا مخلُوق بن جاتا ہے، اَور خُدا کی بادشاہی یا فردَوس کا آغاز اُس کے دِل میں ہو جاتا ہے، جیسا کہ خُداوند نے اُس چور سے کہا کہ "آج ہی تُو میرے ساتھ فردَوس میں ہو گا" (لُوقا ۲۳: ۴۳) اِس بات سے خُداوند کا فردَوس پر پُورا اختیار اَور آئندہ کا عِلم ثابت ہوتا ہے۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ شاید تُو کُچھ عرصہ کے بعد فردَوس میں داخل ہو گا، یا یہ کہ مَیں پہلے جا کر یا خُدا سے اجازت

لے کر تیرے لئے انتظام کروں گا۔ مگر صاحبِ اختیار اور ملک کی طرح وعدہ کر کے مرتے ہوئے چور کو تسلی دی۔ گویا وہ اپنے اُس صلیبی موت کے پہلے پھل کو اپنے ساتھ فردوس میں لے گیا۔ اسی طرح اب جو گناہ اور دُنیا کی طرف سے اُس کے ساتھ مصلوب ہو جاتے ہیں، وہ اسی روز ازسرِنو پیدا ہو کر فردوس اور خُدا کی بادشاہی میں داخل ہو کر اپنے دِل میں ایک عجیب خوشی اور اطمینان حاصل کرتے ہیں اور دُنیاوی لوگ نہ تو اس اطمینان اور فردوس کو دیکھ سکتے اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

۲۔ خُداوند ہر ایک گنہگار کو موقع دیتا ہے کہ وہ توبہ کر کے ازسرِنو پیدا ہو کر خُدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ مثلاً یہوداہ اسکریوتی کی بابت وہ جانتا تھا کہ وہ کیسا آدمی ہے اور کس طرح اُس کو پکڑوائے گا۔ مگر تو بھی کبھی اُس کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آیا، بلکہ اپنی صحبت میں رہنے کا بیش قیمت موقعہ بخشا، تا کہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش اور عذر نہ ہو کہ بُرے لوگوں کو موقعہ نہیں دیا جاتا، اور یہوداہ کی بڑی نادانی اور بیوقوفی یہ بھی تھی کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنے گناہ سے توبہ کر کے لوٹ کر مسیح سے مُعافی مانگ کر بچ جاتا، اُس نے جا کر خودکُشی کی۔ ایسا ہی اب بھی بہت سے لوگ اسی طرح کے گُناہوں کے مُرتکب ہوتے ہیں، اور بجائے فردوس اور خُدا کی بادشاہی کے "اپنی جگہ" (اعمال ۱: ۲۵) جا کر سزا پاتے ہیں۔

اِس "جگہ" یا دوزخ سے ایک ایسی حالت مُراد ہے جو انسان اپنی آزاد مرضی وفعل مختاری سے خُدا کی نافرمانی کر کے دُکھ و عذاب کی حالت اپنے

اندر پیدا کر لیتا ہے۔ یہ کسی خاص جگہ کا نام نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو خُدا جو کہ ہر جگہ موجُود ہے اس صُورت میں اُس کی ہستی کا بھی ایک حِصّہ دوزخ میں ہوتا جو کہ سراسر ناممکن اَور محال ہے۔ مگر یہ ایک حالت ہے جو کہ خُدا پاک میں نہیں ہو سکتی، اَور اُس کے سچّے پرستار بھی گناہ اَور عذاب کی حالت سے ہمیشہ کے لئے بچائے جائیں گے۔

جہاں خُدا ہے وہیں بہشت یا خُدا کی بادشاہی ہے، اَور خُدا ہر جا موجُود ہے لہٰذا بہشت بھی ہر جگہ ہے۔ اس لئے اُس کے سچّے پرستار خواہ وُہ دُکھ میں ہوں یا سُکھ میں، دوستوں میں یا دُشمنوں میں، اِس جہان میں یا آئندہ جہان میں ہر کہیں خُوش ہیں، کیونکہ وُہ ہر جا حاضر و ناظر خُدا میں اَور خُدا اُن میں ہمیشہ بستا ہے، اَور یہی خُدا کی بادشاہی ہے۔ (لُوقا ۱۷: ۲۰ و ۲۱) برعکس اس کے گنہگار گو بظاہر عیش و عشرت اَور آرام کی حالت میں ہو، لیکن اُس کے دِل کی بے چینی دُور نہیں ہوتی، بلکہ اگر وُہ بہشت میں بھی داخل ہو جائے تو وُہ بھی اُس کے لئے دوزخ ہی ہوگا، کیونکہ دوزخ اُس کے اپنے دِل میں موجُود ہے۔ پس جب تک یہ دِل تبدیل نہ ہو جائے اَور از سرِ نَو پیدا نہ ہو وُہ خُدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ خُدا کی بادشاہی محبّت کی بادشاہی ہے، جیسا کہ ایک مردِ خُدا نے رویا میں دیکھا کہ وُہ ایک ایسے مُلک میں جا نِکلا جہاں پیشتر کبھی جانے کا اِتّفاق نہ ہُوا تھا، اَور وُہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہُوا کہ وہاں کے باشندے ایسے تپاک اَور محبّت سے اُس کو ملے جیسے کہ پُرانے دوست اَور حقیقی بھائی مدّت کے

بچھڑے ہوئے آپس میں ملتے ہیں، اور آگے بڑھ کر دیکھا کہ نہایت ہی عالیشان
مکان ہیں جن میں ہر قسم کا قیمتی اور خوبصورت سامان موجود ہے۔ اِن کے مالک
بغیر قُفل لگائے دروازے کھُلے چھوڑ کر باہر چلے جاتے ہیں، اور کسی چور و
ڈاکو کا اندیشہ نہیں۔ دریافت کرنے پر ایک نے یہ جواب دیا، کہ "یہاں پہ
کوئی چور وغیرہ نہیں ہے جب تک انسان کے دِل پر خُدا کے لئے تالا لگا
ہے، تب ہی تک مکان کے دروازہ پہ تالا لگانے کی ضرورت ہے لیکن
جب دِل کا دروازہ خُدا کے لئے کھُلا ہے اور وُہ اِس میں بستا ہے، تو
کسی گھر کے دروازہ پر تالا وغیرہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ پھر خُدا کی
بادشاہی جو کہ محبّت کی بادشاہی ہے، دِل میں قائم ہو جاتی ہے اور ہر ایک ایک
دُوسرے کی محبّت سے خدمت کرنا اور بھلائی چاہتا ہے۔ مثلاً یہاں دو
بھائیوں کا ذکر ہے۔ چھوٹے بھائی نے اپنے بھائی کی ضروریات کو معلوم
کر کے کچھ ضروری سامان لے کر اُس کے گھر پہ پہنچانے کا قصد کیا، اور
بڑے بھائی نے بھی اپنے چھوٹے بھائی کی ضروریات کو رفع کرنے کا ارادہ
کیا۔ یہ بغیر ایک دُوسرے کو بتانے اور جتانے کے اور بغیر مانگے محبّت سے
کیا اور دونوں بھائی بغیر ایک دُوسرے کے نیک ارادہ کو جانے کچھ سامان
لے کر ایک دُوسرے کے مکان کی طرف روانہ ہوئے، اور دونوں کی ملاقات
راستہ ہی میں ہو گئی۔ وُہ آپس میں ایک دُوسرے کی اِس حقیقی اور بے غرض
محبّت کو دیکھ کر نہایت خوش اور شکر گذار ہوئے اور بغلگیر ہو کر محبّت سے
ایک دُوسرے کو چُومنے لگے۔ پس اِسی طرح ہم محبّت سے ایک دُوسرے

کی مدد کرتے اَور ہر طرح سے بہتری و بہبُودی چاہتے ہیں "۔ ذرا آور آگے بڑھ کر دیکھا کہ انسان اَور فرشتگان دونوں مل کر حقیقی بھائیوں کی طرح ایک دِل ہو کر خُدا کی عبادت و پرستش کر رہے ہیں، اَور اُن کے بیچ میں خُدائے مُجسّم محبّت کا اَوتار مسیح بھی موجُود ہے ۔آہ یہ دیکھ کر دِل عجیب محبّتِ الٰہی اَور خُوشی سے بھر گیا، اَور بے اِختیار یُوں بول اُٹھا " یہ ہے وُہ خُدا کی بادشاہی اَور ہمارا اصلی و اَبدی گھر جس کے لئے انسان کا دِل ترستا ہے گو اس کا آغاز اِیمان دار کے اندر دُنیا میں ہی ہو جاتا ہے ۔ مگر یہ ہے منزلِ مقصُود، جہاں کسی قِسم کا دُکھ، مُصیبت اور مَوت نہیں، مگر ہمیشہ کی زِندگی اَور دائمی خُوشی ہے "۔

اخلاق اور خوبصورتی

۱۔ اخلاق کی بنیاد اور جان خدا ہے، جو کہ کل نیکی کا سرچشمہ ہے اور بغیر خدا کے اخلاقی زندگی مثل ایک خوبصورت پتھر کے ہے جو کہ بیجان ہے اور زندگی سے محروم ہے۔ جن کا تعلق و رشتہ خدا کے ساتھ قائم رہتا ہے وُہی ہر طرح کی نیکی اور صداقت میں جو کہ رُوح کی خوبصورتی ہے ترقی کرتے ہیں۔ لیکن جن کا بھروسہ اور ایمان خدا پر نہیں وہ ریت کے ڈھیر کی مانند ہیں جو ہوا کے جھونکوں اور آندھی کے زور سے آج یہاں اور کل وہاں بے ٹھکانہ اِدھر سے اُدھر دھکیلے جاتے ہیں۔

۲۔ خدا کی حضوری میں رہ کر اُس کو جاننے میں ہم اپنی ہستی اور ذات کی اصلیت کا علم حاصل کرتے ہیں ورنہ ہم اپنے وجود کی حقیقت کی نسبت بھی جاہل اور بےخبر رہتے ہیں۔ جیسا کہ چین کا ایک فلاسفر بنام چونگ تزو کہتا ہے کہ "ایک دفعہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں تتلی ہوں اور ہر طرح سے تتلی کی مانند اِدھر اُدھر اُڑ رہا ہوں، اور جب آنکھ کھُلی تو اپنے آپ کو لیٹا ہوا پایا۔ اب مَیں نہیں جانتا کہ آیا اُس وقت مَیں انسان تھا اور خواب میں تتلی دکھائی دیا

یا اب مَیں تتلی ہوں اور خواب میں انسان معلوم پڑتا ہوں"۔ اب سوچیئے کہ جس شخص کو اپنی ہستی کا بھی صحیح علم نہیں تو بھلا اُس کو نیکی و بدی بُرے اور بھلے کی کیا تمیز اور پہچان ہو سکتی ہے۔

۳۔ مشہور فلاسفر و معلّم اخلاق کنفیوشس کا بھی راستبازی اور اخلاق کی بابت انوکھا خیال تھا۔ مثلاً ایک فرمانروا نے کنفیوشس کو اپنی ریاست میں اعلےٰ درجہ کی اخلاقی حالت کی نسبت فخر سے کہا کہ "تم یہاں ہمارے درمیان ایسے دیانتدار اور نیک لوگ پاؤگے کہ اگر باپ نے بھیڑ چرائی ہو تو اُس کا بیٹا اُس کے خلاف گواہی دے گا"۔ تب کنفیوشس نے کہا کہ "میرے مُلک میں اس کے برعکس ہے، کہ باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو پناہ دے گا"۔ اِس کے ساتھ مسیح کی پاکیزہ تعلیم کا مقابلہ کریں، جس نے یہ فرمایا کہ "جو تھوڑے سے تھوڑے میں دیانتدار ہے، وہ بہت میں بھی دیانتدار ہے اور جو تھوڑے سے تھوڑے میں بددیانت ہے، وہ بہت میں بھی بددیانت ہے"۔ (لُوقا ۱۶: ۱۰) مگر کنفیوشس کہتا ہے کہ "جو شخص چال چلن کی خاص اصولی باتوں میں بےعیب ہے، وہ چھوٹی چھوٹی میں معذور یا مُعاف کیا جا سکتا ہے"۔

اور جو تعلیم کنفیوشس نے نفی کی صورت میں دی کہ "جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ نہ کریں، وہ تم بھی اُن کے ساتھ نہ کرو"۔ مسیح نے حکم اور تاکید کی صورت میں فرمایا کہ "جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وُہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو" (متی ۷: ۱۲)۔ اور جب بہت سی اور ایسی باتیں ہیں کہ جن کا ذکر کرنا

گناہ اور بدی میں شامل ہے تو بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں، کہ جن کا نہ کرنا بھی گناہ ہے مثلاً بدل و جان خدا کو اور اپنی مانند اپنے پڑوسی کو پیار نہ کرنا وغیرہ۔

۴۔ دنیا میں جو طرح بطرح کی خوبصورتی مخلوقات میں پائی جاتی ہے یہ ایک حقیقی روحانی خوبصورتی کا یعنی خدا کی پُر محبت پُر جلال اور نیک ہستی کے فعل اور حضوری کا نتیجہ اور ظہور ہے، جو کہ اُس کی خلقت میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ دنیا یا فطرت میں ظاہری خوبصورتی ایک باطنی اور پوشیدہ روحانی خوبصورتی کا عکس اور تصویر ہے جیسا کہ ایمرسن نے کہا کہ "قدرت یا فطرت کا ہر ایک نظارہ روح کی کسی نہ کسی حالت کے مطابق ہے، اور روح کی یہ حالت صرف قدرتی نظارہ کی صورت میں بیان کی جا سکتی ہے۔

بقول کبرٹ صاحب "خوبصورتی نمک ہے جس کے بغیر زندگی بے مزا ہے" اور یہ خوبصورتی نیکی اور سچائی کا اظہار ہے خواہ وہ پھل و پھول، دریا اور پہاڑ، شعر و سخن اور موسیقی و ہنر میں یا نیک و اچھے اعمال و افعال کی صورت میں ظاہر ہو، اور جب یہ خوبصورتی ہمارے حُسن اور دبے ہوئے جذبات کو چھو کر بیدار اور موثر کرتی ہے، تو ہم اپنی اپنی استعداد اور ترقی کی حالت کے مطابق اُس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ موسیقی کی راگ و شیریں آواز سے طبیعت اُبھاری جاتی اور یکسو ہو جاتی ہے۔ اس لئے وصلِ الٰہی اور عبادت کے لئے یہ نہایت مفید اور ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اسی واسطے قدیم زمانہ میں نبی نبوت وغیرہ سے پیشتر بربط و بین بجایا کرتے تھے۔ دیکھو ۱ سموئیل ۱۰: ۵ و ۱۶: ۲۳ اور ۲ سلاطین ۳: ۱۵۔

۵۔ اخلاق اور خوبصورتی کا آپس میں گہرا تعلق ہے، کیونکہ ان دونوں کا

سرچشمہ حق ہے اور جن کے اندر یہ حق سکونت کرتا ہے، اُن میں یہ صفات ضرور پائی جائیں گی۔ اور دیگر مخلوقات اور بے جان چیزوں میں بھی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ اگر انسان میں جو اشرف المخلوقات ہے، یہ صفات نہ پائی جائیں تو وہ ادنےٰ مخلوقات اور بے جان اشیاء سے بھی گیا گذرا اور بدتر ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ بوجہ گناہ اور بدی کے بدرُو اور بدصورت ہوگیا جو کہ بدی اور ناراستی کا ضروری نتیجہ ہے۔

اور جن کے دِل میں حق یعنی خدا بستا ہے، اُن کی نیک اور خوبصورت زندگی کا اثر دُوسروں پر معلُوم اور نامعلُوم طور پر ضرور پڑتا ہے جیسا کہ ایک صاف رہنے والا شخص ایک جگہ گیا جہاں کے لوگ بہت ہی میلے اور گندے رہتے تھے۔ جب وہ لوگوں سے بات چیت کر رہا تھا تو ایک بیدار مغز لڑکا جس کی پیدائش اور پرورش اُنہیں گندے لوگوں میں ہُوئی تھی، اور کبھی کسی صفائی پسند آدمی کو نہ دیکھا تھا، اُس صاف ستھرے شخص کی صفائی کو دیکھ کر ایسا متاثر ہُوا کہ وہ بغیر کسی کے بتانے یا حکم دینے کے چُپ چاپ وہاں سے چلا گیا، اور فوراً اپنا مُنہ اور ہاتھ پاؤں دھو کر واپس آموجُود ہُوا۔ یہ دیکھ کر اُس مردِ خُدا پر بھی بڑا اثر ہُوا، اور یُوں نصیحت کرنے لگا کہ یہ نہایت ضروری اور لازم ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے آسمانی باپ کی خوبیاں اور جلال ظاہر کریں، تاکہ اُس کی حمد و تعریف ہو۔ (متی ۵: ۲۱، اور ا۔ پطرس ۲: ۹)۔

۱۱

نکتہ چینی اور مخالفت

۱۔ اگر لوگ ہمارے نیک مقصد کو نہ سمجھ کر نکتہ چینی کریں اور غلط فہمی کے باعث مخالفت کریں اور ستائیں تو یہ کوئی نئی اور تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ بے شمار لوگ خود اپنے ہی مقصد کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اس کو سمجھیں تو جو کام خدا نے اُن کے سپرد کیا ہے اُس سے اُن کو فرصت ہی نہ ملے گی کہ دوسروں کے کام میں دخل دینے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کریں۔ اور یوں اپنا اور دوسروں کا نقصان کریں اور وہ جو اپنی ہستی کے مدعا و مقصد کو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ لوگ اُن کی بابت کیا کہتے یا سوچتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا اور اپنے خالق کا مقصد معلوم کر کے اُس کو انجام دینے میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں اور خدا جس کو آخر میں حساب دینا ہے، اُن کی نیک نیتی کو جانتا ہے۔ اس لئے اُن کو پیار کرتا ہے، اور برکت تسلّی اور اطمینان بخشتا ہے۔ اور جب کہ ہمارا خالق اور مالک ہمارے نیک مقاصد کو پورا کر کے سب پر روشن کر دے گا، تو بھلا پھر بے چینی اور گھبراہٹ کیوں پیدا ہو؟

جب کوئی شخص دُوسری جگہ یا پردیس میں جاتا ہے، تو لوگ اُس کو اجنبی سمجھتے ہیں اور اُس کو دیکھ کر کُتّے بھونکتے ہیں۔ اِسی طرح سچّے مسیحی اِس دُنیا کے نہیں بلکہ یہاں وُہ مُسافر اور پردیسی ہیں۔ (یُوحنّا ۱۷: ۱۴ و عبرانیوں ۱۱: ۱۳)
اس لئے اُن کو حیران اور پست ہمّت نہیں ہونا چاہیئے، کہ دُنیا کے کُتّے اُن کو اجنبی سمجھ کر بھونکتے بلکہ اکثر حملہ کر کے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ ہمیں ہل پہ ہاتھ رکھ کر پیچھے نہیں مُڑنا چاہیئے، اور نہ ہی اپنی رفتار کو کم کرنا چاہیئے، بلکہ قافلہ کی طرح آگے بڑھتے چلے جائیں، کیونکہ کُتّے کُچھ دُور تک پیچھا کر کے لَوٹ جائیں گے، اور تھک کر خاموش ہو رہیں گے، اور ہم با سلامت منزلِ مقصُود پہ پہنچ جائیں گے۔ (متّی ۷: ۶)۔

۲۔ حق کے مخالفین کے پاس کوئی خاص کام نہیں ہے۔ اگر تھا بھی تو اُن کی نالائقی کے باعث اُن سے چھین لیا گیا، اور جب خُدا کا کام اُن سے چھینا گیا، تو فوراً شیطان نے اُن کو بیکار دیکھ کر اپنا کام اُن کے سپُرد کر دیا، کیونکہ بے کار بیٹھنا تو دُشوار ہے۔ اِس لئے اگر اَور کُچھ نہیں بن پڑتا تو وُہ اُن پہ جو خُدا کے کام میں مشغُول ہیں پتھراؤ کر کے دِل بہلاتے ہیں۔

اگر کوئی اندھا راستہ میں آ رہا ہو تو لازم ہے کہ آنکھوں والا ٹکّر کھانے سے بچنے کے لئے خُود ایک طرف ہو جائے۔ اور اگر اچانک ٹکرا بھی جائے تو بُرا نہ مانے، بلکہ مُعافی مانگ کر اُس کی مدد کرے۔ اگر ناراض ہو تو یہ اِس بات کا ثبُوت ہو گا، کہ بینا نابینا سے بلحاظ بینائی کُچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہے کیونکہ ہمدردی اور عقل دونوں کا اندھا ہے، اور اگر کوئی حق کی پیروی کے سبب سے ہماری

مخالفت کرے اور ستاتے تو چاہیئے کہ ہم بجائے بُرا ماننے کے اُس کو معاف کریں اور محبّت سے اُس کے لئے دُعا مانگیں۔ (متی ۵: ۴۴ و ۴۵) اور اگر وُہ پھر بھی تائب ہو کر باز نہ آئے تو اِس میں ہمارا نقصان نہیں، کیونکہ یہ ہم کو حق کی خاطر کرنا چاہیئے جس نے ہمیں بینائی بخشی اور وُہی ہمارا حِصّہ اور اجر ہے۔

۴۔ جیسا کہ برفانی مقامات قطب شمالی میں ریچھ وغیرہ کئی ایک قسم کے جانور موسم گرما میں غذا کھا کر خُوب موٹے اور مضبُوط ہو جاتے ہیں، اور موسم سرما میں جب کئی ماہ تک کسی قسم کی خوراک بھی نہیں مل سکتی تو وُہ اِسی چربی کے ذخیرہ پر جو موسم گرما میں اپنے بدن میں جمع کیا زندہ اور قائم رہتے ہیں۔ اِسی طرح وُہ جو بذریعہ دُعا خدا سے رُوحانی خوراک اور طاقت حاصل کر لیتے ہیں مخالفت تنگی اور مصیبت کے وقت بحال اور قائم رہتے ہیں۔

جب کہ لوگوں نے خُداوند کی اِس قدر مخالفت کی کہ ”زندگی کے مالک اور بانی کو مصلُوب کر دیا“ (اعمال ۳: ۱۵) تو ہم کیا چیز ہیں ”وُہ اپنوں پاس آیا اور اُس کے اپنوں نے اُسے قبُول نہ کیا“ جیسا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص سوداگری کے لئے پردیس گیا، اور کچھ روز کے بعد اُس کی غیر حاضری میں اُس کے گھر بیٹا پیدا ہُوا۔ ماں تو مر گئی مگر لڑکا بچ گیا اور یہ شخص اپنے رشتہ داروں کے ذریعہ سے لڑکے کی پرورش کے لئے روپے بھیجتا رہا، اور کئی برس کے بعد جب لڑکا جوان ہو گیا تو باپ رات کے وقت گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹا کر بیٹے کو جگایا۔ اب جس وقت لڑکے نے اُس شخص کو

دیکھا تو چور سمجھ کر بڑی بے ادبی اور سختی سے پیش آیا۔ سوداگر نے بہتیرا سمجھایا کہ میں تیرا پیارا باپ ہوں مگر چونکہ نہ تو اُس نے کبھی اپنے پیارے باپ کو دیکھا تھا اور نہ ہی اُس سے کچھ محبت اور واقفیت تھی اِس لئے اُس کو زخمی وگھائل کر کے پولیس کے حوالہ کر دیا، اور صبح کو جب تحقیقات ہوئی تو ثابت ہو گیا کہ وُہ اُس جوان کا باپ ہے۔ آہ، تب تو وُہ چھاتی پیٹ پیٹ کر رویا، اور نہایت عاجزی کے ساتھ باپ سے مُعافی مانگنے لگا اور وعدہ کیا کہ اَب سے زندگی بھر بہ دِل وجان فرماں برداری کے ساتھ خدمت کروں گا خیر یہ جوان تو اپنی گُستاخی اور باپ کی بے عزّتی کے لئے نادم اور شرمندہ ہو کر مُعافی کا خواستگار ہوا مگر ہمارے درمیان ہزاروں اور لاکھوں ایسے لوگ موجُود ہیں، جو کہ اب بھی تائب ہو کر اپنے آسمانی باپ اور نجات دہندہ کی طرف نہیں پھرتے۔ افسوس اور صد افسوس اُن کی سخت دِلی پر۔ لازم ہے کہ ہم اُن کے لئے دُعا مانگنے سے باز نہ آئیں، کہ خُدا اُن پر رحم فرماتے۔

۴۔ بہتیرے ایسے بھی ہیں جو اپنی کمی اور نقص تو دیکھتے نہیں، مگر دُوسروں کو ہمیشہ نکتہ چینی نگاہ سے دیکھتے اور ملزم ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ آنکھ بہت سی چیزوں کو دیکھتی ہے مگر خُود اپنے آپ کو اور اپنے نقص کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہی حالت نکتہ چینوں اور مخالفوں کی ہے۔ جس طرح کہ آنکھ اپنے آپ کو اور اپنے نقص کو آئینہ میں دیکھ کر معلُوم کر لیتی ہے، اِسی طرح ہم اپنی رُوحانی حالت کو خُدا کے کلام میں اور کلامِ مجسّم کی صُحبت میں رہ کر معلُوم کر سکتے ہیں، اور وُہ نہ صرف ہماری گُناہ آلُودہ حالت ہم پر ظاہر کرے گا، بلکہ خُود اپنے

آپ کو قدرت کے ساتھ ظاہر فرما کر پُوری شفا اور نجات بھی بخشے گا، اور اگر تائب ہو کر اُس کی طرف رجُوع ہوں، اور بہ دِل و جان اُس سے دُعا مانگتے ہُوئے اُس کی رفاقت اور صحبتِ اقدس میں رہیں تو ہمیشہ کے لئے اپنی مانند بنا لے گا، تا کہ جہاں وُہ ہے، وہاں ہم بھی ہمیشہ اُس کے جلال میں اُس کے ساتھ ہوں۔ (یُوحنّا ۱۲ : ۲۶ و ۱۷ : ۲۴)۔

۱۲

خدمت اور خود انکاری

۱۔ خدا خلق کرنے اور اپنی مخلوقات کی پرورش اور سنبھالنے کے کام میں ہمیشہ مشغول ہے (یوحنا ۵ : ۱۷) اور اُس کے کام ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔ مثلاً جانداروں یعنی ذی حیات مخلوقات میں دَورانِ خون اور سانس وغیرہ دن رات جاری رہتے ہیں۔ بلکہ بے جان مخلوقات ہوا۔ پانی۔ زمین سورج اور ستارے وغیرہ بھی لگاتار ہمیشہ باقاعدہ گردش کرتے ہیں۔ اور اپنے خلق کئے جانے کے مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ اب اس پر غور کرنا لازم ہے، کہ ہم خدا کے فرزند کہلا کر کیا اِن بے جان مخلوقات سے بھی گئے گذرے ہیں کہ اپنے فرضِ منصبی اور کام کو انجام دینے میں جو ہمارے سپرد ہوا ہے غفلت اور بے پروائی کریں ؟

۲۔ شیطان بغیر راستی کی طاقت کے بھی کس قدر کام کرتا ہے۔ دن و رات ہمیشہ لوگوں کو گمراہ اور ہلاک کرنے میں مصروف ہے اور سانپ جس نے حوا کو بہکایا (پیدائش ۳ : ۱-۲۰) بغیر ہاتھ پاؤں کے کیسا دوڑتا ہے۔ تو ہم جو راستی اور حق کے پیرو ہیں، اور خدا کے ہتھیار اور رُوح کی قوت حاصل کئے ہوئے ہیں، کیا شیطان اور سانپ سے بھی گئے گذرے اور بدتر

ہیں کہ اپنے کام اَور مبارک خدمت میں سُستی اَور کوتاہی کریں ؟ (افسیوں ۶ : ۱۰ - ۱۸) پس ہوشیار اَور بیدار ہوں، اَور خُدا سے طاقت حاصل کر کے شیاطین اَور بدی پر غالب آئیں اَور اپنی خدمت کو درُستی سے انجام دیں (۲-تمتھیُس ۴ : ۵ و یعقُوب ۴ : ۷)۔

۴۴۔ کوئی صُوفی مُنش کُچھ گیہوں لئے جا رہا تھا۔ جب کئی سو میل کے فاصلہ پر جا کر گٹھڑی کھولی تو اُس میں بہُت سی چیونٹیاں بھی نکلیں۔ اَب وُہ ہمدردی اَور رحم سے مجبُور ہو کر واپس لَوٹا اَور جہاں سے اناج لایا تھا وُہیں چیونٹیوں کو اُن کی اصلی جگہ پر چھوڑ کر آیا۔ آپ ذرا خیال فرمائیں کہ اگر ادنےٰ مخلُوق کے لئے اِس قدر رحم اَور ہمدردی پائی جاتی ہے تو انسان کے لئے جس کہ خُدا نے اپنی مانند اَور صُورت پر پیدا کیا، ہمیں کس قدر ہمدردی اَور محبّت نہ ہونی چاہئیے۔ تاکہ اُن کو جو بھٹکی ہُوئی بھیڑوں اَور مُسرف بیٹے کی طرح گُمراہ ہیں راہِ راست پر لا کر ہمیشہ کے لئے اپنے باپ کے گھر پہنچا دیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مَیں ایک چیونٹی کی طرف دیکھ رہا تھا جو اِدھر اُدھر کسی شئے کی تلاش میں پھر رہی تھی۔ اتنے میں ایک چھوٹے دانہ کے پاس پہنچی اَور اُس کو چھُوتے ہی فوراً بھاگ گئی۔ مَیں نے خیال کیا کہ شاید وُہ اِس دانہ کو کڑوا اَور خراب سمجھ کر چھوڑ گئی۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد کیا دیکھتا ہُوں کہ وُہ اپنے ہمراہ اَور بھی بہُت سے چیونٹیوں کو لے آئی۔ تب معلُوم ہُوا کہ وُہ اپنی ہم جنسوں کو خبر دینے اَور بُلانے گئی تھی۔ وُہ خُود غرض نہ تھی کہ سارا دانہ لے کر بِل میں گھُس جائے اَور خُود ہی کھا جائے۔ بلکہ اُس کی خوشی

اِس میں تھی کہ وُہ اپنی دُوسری سہیلیوں کو بھی اِس ضیافت میں شامل کرے۔ اَب خود غرض انسان کو چاہیئے کہ اِس ادنےٰ سی مخلوق سے سبق حاصل کرے، اَور اُن کو جنہوں نے خُدا کی صُحبت اَور قُربت میں رہ کر ہر طرح کی رُوحانی برکتیں حاصل کی ہیں، چاہیئے کہ اَوروں کے پاس جا کر جو اُن سے محرُوم ہیں خبر دیں، تاکہ وُہ بھی خُدا کی رفاقت اَور برکات حاصل کر کے اَبدی خُوشی و خُرمی میں شامل ہوں۔

۴۔ فرانس میں ایک غریب مصوّر نے مٹّی کی ایک نہایت عمدہ مُورت بنائی۔ رات کو جب سونے لگا تو اُس کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سیلاب اَور نمی سے یہ خراب ہو جائے اَور میری ساری محنت بے فائدہ جائے، اس لئے اُس نے اپنا گرم بستر اَور کمبل وغیرہ اِس پر ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا، کہ غریب مصوّر سردی میں اکڑ کر مر گیا، مگر تصویر بچ گئی جو آج تک پیرس میں موجُود ہے۔ جب دُنیا میں ہمارے درمیان ایسے لوگ مَوجُود ہیں جو اپنے ہاتھ کی کاریگری اَور بے جان چیزوں کے لئے جان دینے کو تیّار ہیں تو کتنا زیادہ ہمارا فرض ہے کہ اُن کو بچانے کے لئے جنہیں خُدا نے اپنی مانند اَور صُورت پر بنایا جان دینے کو تیّار ہوں۔ (یُوحنّا ۳: ۱۶)

۵۔ جب تک کہ نمک کی ڈلی پانی میں حل ہو کر دیگچی میں گُھل نہ جائے دال کا ایک دانہ بھی نمکین نہیں ہو سکتا، اَور جب تک برف آفتاب کی گرمی سے پگھل کر پانی بن کے بہہ نہ جائے تو وُہ سُوکھی اَور خُشک جگہوں کو سیراب و شاداب نہیں کر سکتی؛ اَور نہ ہی بخارات کی صُورت میں زمین سے اُٹھ کے بادل بن کر

بارش کی صورت میں برس کر پیاسی زمین کو سیراب کر کے پھل دار کر سکتی ہے۔ ایسا ہی اگر ہم آفتابِ صداقت کی محبت سے اور روح القدس کی آگ سے پگھل کر بہہ نہ جائیں یعنی خود انکاری۔ قربانی اور جان نثاری کے لئے تیار نہ ہوں، تو کسی شخص کی زندگی ممکن نہیں کر سکتے اور نہ ہی پیاسی روحوں کی پیاس بجھا کر سرچشمہ زندگی کے پاس لا سکتے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ کے لئے بچ کر سیر و آسودہ ہو جائیں۔

۶۔ یہ سچ ہے کہ خالق اور اس کی مخلوق کی خدمت کرنے میں بہت سی مشکلات اور آزمائشیں پیش آتی ہیں، لیکن ان کا پیش آنا ضروری اور مفید ہے۔ ان کے بغیر روحانی ترقی ممکن نہیں۔ اس لئے دنیا میں کوئی انسان ان سے بری نہیں۔ بقول حکیم ارسطو "جس پہ کوئی آزمائش نہیں آتی، وہ یا تو خدا ہے یا حیوان۔" اور مشکلات و تکلیفات یا یوں کہیں کہ صلیب بھی زندگی اور بیشمار برکتوں کا وسیلہ ہے۔ بلکہ جس طرح پرندے پروں کو اور پر پرندوں کو اٹھائے لئے پھرتے ہیں اسی طرح تجربہ شاہد ہے کہ جو لوگ بخوشی اپنی صلیب اٹھاتے ہیں تو صلیب بھی انہیں اٹھاتی اور بسلامت ساحلِ مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔

۷۔ ان مشکلات میں خانگی اور دیگر فرائض بھی شامل ہیں بعض لوگ غلط فہمی سے ان کو ایک بوجھ اور روحانی زندگی کے لئے رکاوٹ سمجھتے ہیں جیسا کہ ناگنو کی انجلو نے اپنی ماں، خاوند اور بچوں کے مرجانے پر اپنے آپ کو آزاد اور خوش نصیب سمجھا۔ اس کے خیال میں وہ خدا کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھے۔ مگر ان تمام فرائض کو خود انکاری کے ساتھ ادا کرنا عین خدا کی مرضی

کے مطابق اُس کی عبادت اور خدمت میں شامل ہے۔

تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دُوسروں کی مدد کرنے اور اُن کو خوشی پہنچانے میں خود ہماری بھی مدد ہوتی ہے، اور دِل کو ایک عجیب راحت حاصل ہوتی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے، اور دِل کو ایک دُوسرے کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے، اور ایک دُوسرے کی ترقّی اور بہتری آپس کی مدد اور خدمت پر موقُوف ہے۔ یہ گویا ہماری زِندگی اور ہستی کا قانُون ہے جس کے خلاف چلنے میں ہم خود اور ہمارے پڑوسی خوشی سے محرُوم رہتے ہیں، بلکہ ایک دُوسرے کی بربادی اور ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضرور ہے کہ ہم اِس قانُونِ حیات اور سُنہلے اصُول پر عمل کریں "اور محبّت سے ایک دُوسرے کی خدمت کریں" اور بغیر خود انکاری کے خدمت کرنا محال ہے۔ اس لئے لازم ہے جیسا کہ پہلے باب میں ذکر آچکا ہے کہ پہلے خلوت میں خُداوند کے ساتھ رہیں اور اُس کے قدموں پہ بیٹھ کر محبّت اور خود اِنکاری کا سبق سیکھیں اور تب "اپنے پڑوسیوں کو اپنی مانند پیار" کرتے ہوئے اُن کی خدمت کریں، اور یوں اپنے خالق و مالک کے مقصد اور مرضی کو اپنی زِندگی میں پُورا کر کے اب اور ہمیشہ اُس کے ساتھ خوشحال رہیں۔ آمین ❖
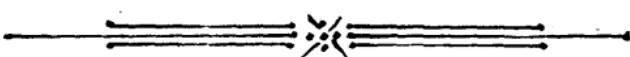
مسٹر اے۔ این والٹر مینیجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پُور روڈ لاہور نے طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر شائع کیا۔

دُرِّ حقیقی

"دُرِّ حقیقی" سادھو سُندر سنگھ کے رُوحانی مضامین کی مشہُور کتاب ہے۔ ان مضامین میں سادھو سُندر سنگھ نے دُنیا کے نامور فلاسفروں اور دانشوروں کے حوالوں اور اپنے گیان کو یکجا کر کے خُداوند یسُوع مسیح کی تعلیم کو اُجاگر کیا ہے۔

"دُرِّ حقیقی" ایک پُر اثر اور فکر انگیز کتاب ہے جس کا مُطالعہ رُوحانی زندگی پر غور و فکر کرنے والے ہر شخص کے لئے ضرُوری ہے یہ کتاب نہ صرف دل کو زِندہ کرتی ہے بلکہ ذہن کے دروازے بھی کھولتی ہے۔